قد افلح من تزکی و ذکر اسم ربہ فصلی (القرآن الکریم)

وہ فلاح پا گیا جس نے تزکیہ کر لیا اور اپنے رب کے نام کا ذکر کیا پھر نماز کا پابند ہوگیا

المجاهد من جاهد نفسه (حدیث شریف)

مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس کے خلاف جہاد کرے

ماہنامہ المرشد چکوال

بیادِ شیخ العرب والعجم

المرشد

دارالعرفان - منارہ، ضلع چکوال

جلد ۸ | جولائی ۱۹۸۷ء بمطابق ذیقعدۃ الحجیب ۱۴۰۷ھ | شمارہ

اِس شمارہ میں

- ادار یہ ــــــــــــــــ ۳
- باتیں اُن کی خوشبو خوشبو ــــــــــــــــ ۴
  ــــــــ حضرت المکرم رح
- اسرار التنزیل ــــــــــــــــ ۶
  ــــــــ حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ،
- اسلام عورت سے کیا چاہتا ہے؟ ــــــــــــــــ ۱۴
  ــــــــ حافظ عبدالرزاق
- وحدتِ ملّت ــــــــــــــــ ۲۶
  ــــــــ ابوسعید
- مومن کا مقصدِ زندگی ــــــــــــــــ ۳۳
  ــــــــ حضرت محمد اکرم مدظلہ،
- افہام و تفہیم ــــــــــــــــ ۴۷
  ــــــــ حافظ عبدالرزاق
- اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان ــــــــــــــــ ۴۹
  ــــــــ ایم امین / ایم اے)
- صقارہ اکادمی کی افتتاحی تقریب ــــــــــــــــ 51
- تبصرہ کتب ــــــــــــــــ 55

ــــ بیاد ــــ

حضرت العلام مولانا

اللہ یار خان رحمۃ اللہ تعالیٰ علیہ

ــــ سرپرست ــــ

حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ،

ــــ مدیرِ مسئول ــــ

پروفیسر حافظ عبدالرزاق

(ایم اے اسلامیات، ایم اے عربی)

ــــ مُدیرانِ اعزازی ــــ

ابوطلحہ

ملک عبدالغفار

ــــ بدلِ اشتراک ــــ

چندہ سالانہ	ــــ	۷۵ روپے
ششماہی	ــــ	۴۰ روپے
فی پرچہ	ــــ	۷ روپے

ــــ سول ایجنٹ ــــ

اویسیہ کتب خانہ

الوہاب مارکیٹ - اردو بازار لاہور

خطاطی: سعید احمد، ٹاؤن شپ لاہور

طابع و ناشر: حافظ عبدالرزاق • مطبوعہ: شرکت پرنٹنگ پریس لاہور • مقامِ اشاعت: دارالعرفان منارہ، ضلع چکوال

اداریہ

معاشرہ انسانی اجتماع کا نام ہے۔ معاشرے کو ایک نظم، ترتیب اور مناسب سانچے میں مربوط و منضبط رکھنے کے لیے قانون کی ضرورت پیش آتی ہے۔ دنیا میں قوانین دو طرح کے ہیں۔

اوّلاً الہامی قوانین،

ثانیاً انسانی قوانین۔

انسانی قوانین محض انسانی سوچ و بچار اور قیاس آرائی پر مبنی ہوتے ہیں جو بنانے والوں کے ہاتھوں خود توڑے جاتے ہیں۔ جن کے نفاذ سے کچھ حد تک ظاہری طور پر ضابطگی آجاتی ہے مگر فتنہ و بگاڑ کا لامتناہی سلسلہ جاری ہو جاتا ہے جو انسانوں کو خدا سے دُوری کے بھنور میں الجھائے رکھتا ہے۔

الہامی قوانین انبیاء و رسل لاتے ہیں جو خالقِ کائنات کے عطا کردہ ہوتے ہیں۔ سب سے پہلا انسان الہامی ہدایت کا مرجع و محور تھا۔ الہامی ضابطہ و قانون کے سلسلے کی آخری کڑی ہادیٔ عالم، محسنِ انسانیت، خاتم الانبیاء حضرت محمد صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم قرآن کریم کی صورت میں لائے جو اللہ تعالیٰ کا قیامت تک کے انسانوں کے لیے ابدی و سرمدی قانونِ حیات ہے۔

یہ دستورِ حیات اٹل، اصول و ضوابط، ہمہ وقت تازہ اور دائمی نظامِ حیات پر مبنی و مشتمل ہے جس کا مصدر کتابِ الٰہی اور اسوۂ کامل صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی سنّتِ مطہرہ ہے۔ آپ کا اسوۂ حسنہ پوری کائنات کے لیے کامل نمونہ ہے۔ اور آپ کی تیار کردہ اور تربیت یافتہ جماعت — یعنی صحابہ کرامؓ اسوۂ پاک کے کامل نمونے اور عملی تفسیریں ہیں۔ اُن تابندہ ستاروں کی اطاعت و پیروی کرنا دنیوی و اُخروی کامیابی کی ضمانت ہے۔

یہ دستورِ حیات یا الہامی قانون اسلامی زندگی کی روحِ رواں ہے جو تین اہم ترین پہلوؤں پر محیط ہے۔ عقائد، عبادات، معاملات و اخلاق و معاشرت —— اسلام سب سے پہلے عقائد

کے تزکیہ و تصفیہ کا فریضہ سرانجام دیتا ہے تاکہ انسان اپنے مالکِ حقیقی کی معرفت سے آگاہ ہو۔ اس کا بدیہی نتیجہ عبادات و معاملات کی اصلاح و درستگی پر پڑتا ہے۔ ایمان و عقائد کا محور و مرکز قلب ہے۔ جب قلب کی اصلاح ہوجاتی ہے تو سارا نظامِ حیات، انفرادی اور اجتماعی طور پر راہِ حق اختیار کرلیتا ہے۔ جتنی جتنی قلب کی اصلاح اور ایمان کی تکمیل ہوتی جاتی ہے، معاملات میں، اخلاق و عادات اور معاشرت حتیٰ کہ آدابِ سیاست و حکومت میں تبدیلیاں آتی جاتی ہیں سارا نظامِ حیات ایک اکائی کی مانند ہوجاتا ہے۔ ایک شخص کا دُکھ سب کو اپنا دُکھ محسوس ہوتا ہے اور ایک شخص کا آرام سب کے لیے باعثِ طمانیت بن جاتا ہے۔

اسی طرح اسلامی ضابطۂ حیات اپنانے سے یہ کارگاہِ حیات امن و آشتی، اور امن و سکون کا گہوارہ بن جاتی ہے۔

طریقِ تصوّف، ہمہ گیر محبت اور تزکیہ کا مسلک ہے۔ اسلام اسی کی دعوت دیتا ہے — انبیاء علیہم الصّلوٰۃ والسّلام کی بعثت کا مقصد تزکیہ ہی ہے۔ تعلیم کتاب و حکمت اس کے بعد ہے۔

تزکیہ کا عمل ذکرِ الٰہی کی کثرت اور صحبتِ صالحین سے شروع ہوتا ہے۔ اس سے قلب میں نسبتِ احسان بیدار ہوجاتی ہے — اور معبودِ حقیقی، مقصودِ حقیقی بن جاتا ہے۔

الحمدللہ قارئینِ المرشد اس حقیقت سے آگاہ ہیں۔ کہ ہماری دعوت الہامی قانون کے اس اہم ترین پہلو یعنی تزکیہ و احسان سے متعلق ہے جس کی اساس محبت و اطاعت و اتباع نبیٔ رحمت صلّی اللہ علیہ وآلہٖ وسلّم میں مضمر ہے۔

محمد اسلم عادل

باتیں ان کی خوشبو خوشبو

حضرت شیخ المکرم رحمۃ اللہ علیہ

(ترتیب : محمد اسلم عادل ایم اے۔ ایم ایڈ)

فرمایا ہر تہذیب کی ایک روح ہوتی ہے جو اس کے مظاہر میں جھلک جاتی ہے دراصل یہی وہ چیز ہے جس سے وہ خاص تہذیب پہچانی جاتی ہے یہ تہذیبی روح وہ عقائد، افکار میلانات یا رجحانات ہوتے ہیں جو اس کے رگ و پے میں سما جاتے ہیں اور اس کے خد و خال میں ظاہر ہو کر اس کے تشخص کا تعین کرتے ہیں اسی سے اس تہذیب کی مرکزی اور حقیقی حیثیت و نوعیت کا پتہ چلتا ہے۔

فرمایا۔ اگر غور کیا جائے تو اس کرۂ ارض پر بنیادی طور پر دو تہذیبیں دو تمدن یا دو طرز حیات ہیں جن میں پوری انسانی آبادی بٹی ہوئی ہے ایک وہ تہذیب و تمدن وہ اللہ تبارک و تعالیٰ کے بتائے ہوئے طریقے اور اس کے فرستادہ انبیاء و رسل علیہم الصلوٰۃ والسلام اور ان کے متبعین کے طرز حیات اور اسوۂ حسنہ سے تعبیر کیا جا سکتا ہے یہی وہ ربانی تہذیب ہے جس کی تکمیل نبی امی رحمت للعالمین خاتم النبیین سیدنا محمد ؐ کی بعثت و نبوت سے ہوئی ہے اور جو رہتی دنیا تک آپ کے انوار و فیضان تربیت و تعلیم سے منور و درخشاں رہے گی۔

یہی وہ صراط مستقیم ہے۔ جس پر مقبول بندے گامزن رہتے ہیں اور رہیں گے۔

فرمایا:۔ آج کی دنیا خالصتاً ایک مادی اور لادینی تمدن کی طرف بڑھتی جا رہی ہے عقل کو دنگ کر دینے والی ترقی اور تہذیب و شائستگی کے باوجود کھوکھلی ہے بے یقینی اور تشکیک کا شکار ہے ایک مسلسل تلاش و جستجو میں حیران و سرگرداں ہے، مگر سر رشتۂ مقصود ہاتھ نہیں آ رہا غور کرنے کی بات یہ ہے کہ وہ گوہر مقصود ہے کیا جس کے لیے انسان کا قلب و ضمیر ایک اضطراب مسلسل کا شکار ہے اور اسی اندرونی اضطراب ہی کے کچھ روپ ایسے ہیں جن سے آج کل کی اعجوبہ پسندی اور اعجوبہ کاری عبارت ہے جب گوہر مقصود ہاتھ نہیں آتا اور قلب و ضمیر کی خلش کم نہیں ہو پاتی روح کی پیاس بجھتی نہیں تو متمدن انسان اپنے علم و تحقیق ہی کی تعبیرات فاسدہ کے سہارے اس آواز کو دبانا چاہتا ہے اور اس داعیہ فطرت کی اہمیت و حقیقت سے انکار کی روش اپنا کر وقتی طور پر اس مسئلہ کی سنگینی سے نجات حاصل کرنا چاہتا ہے وہ زندگی کی معنویت سے انکار کر کے اپنے اضطراب کو کم کرنا چاہتا ہے۔ مگر زخم آگہی ہے کہ اور گہرا ہوتا جاتا ہے۔

حقائق فطرت آئے دن بے نقاب ہو رہے ہیں اور علم و تحقیق کی ہر نئی سطح پر ایک نیا شعور ابھرتا دکھائی دیتا ہے۔ زندگی کے نئے نئے رخ سامنے آ رہے ہیں۔

لیکن کیا کیا جائے انسان کی اس کج بینی اور کج فہمی کا کہ تجربہ و مشاہدہ کے باوصف اس کی گہرائی اور حقیقت پر غور کرنے کی فرصت نہیں پاتا اور ایک آدھ لمحہ کے

لیے بھی اپنے خواب شیریں سے بیدار نہیں ہونا چاہتا کچھ ایسی صورت ہے کہ اضطراب بڑھتا جاتا ہے ایک انجانے خوف کے مہیب اور طویل سائے پوری انسانیت پر پھیلتے جا رہے ہیں مستقل باوجود انتہائی ترقی تہذیب و شائستگی اور علم و فضل کے حصول وارتقاء کے باوصف تاریک سے تاریک تر ہوتا جا رہا ہے کہیں بڑھتی ہوئی آبادی کا مسئلہ پریشانی فکر کا سبب ہے اور کہیں موجود آبادی کے ترقی یافتہ ذہن کی ایجادات و اکتشافات اور ایٹمی توانائی کی کرشمہ سازیاں زندگی کے خواب کو پریشان کرتی نظر آتی ہیں انسان اپنے ہاتھوں اپنی تباہی و بربادی کے منصوبے تعمیر بھی کر رہا ہے اور غور بھی کرتا جاتا ہے محسوس بھی کرتا ہے مجبور بھی ہے اور مختار بھی ہے عجیب کشمکش میں گرفتار ہے خود ہی گڑھا کھود رہا ہے اور خود ہی اس میں گرتا جا رہا ہے اس کی گہرائی اور گہرائی بڑھ رہی ہے۔

مگر مداوا ہاتھ نہیں آتا۔

فرمایا:۔ اس دکھی انسان کو اس ڈراؤنے خواب سے جو ہر لمحہ ایک تلخ حقیقت میں تبدیل ہوتا جا رہا ہے کون نجات دلائے اور اس مصیبت سے کون نکالے جس کے احساس نے اسے باوجود جملہ مرغوبات کے حصول کے پریشان کر رکھا ہے اس کی کیفیت کچھ ایسی ہو رہی ہے کہ لذائذ حیات موجود ہیں مگر تسکین نہیں۔

فرمایا:۔ برا ہو عقل و خرد کی ان بدمستیوں کا اور علم و تحقیق کی گمراہی کا کہ اپنی آنکھیں بند کیئے تہ بہ تہ اندھیروں میں سرگرداں ہے اور اپنے اس خواب غفلت میں ہی بیداری کے خواب دیکھنے اور اس کی تعبیر پا لینے کی فکر میں غلطاں ہے۔

کاش!... کوئی اس اونگھتے جاگتے انسان کو اسلام کی نعمت لازوال سے آشنا کر دے تاکہ اس کے دکھوں کا مداوا ہو جائے۔

فرمایا آفتاب حقیقت خاتم النبیین سید المرسلین رحمتہ للعالمین ؐ کی بعثت سے طلوع ہو چکا ہے اس کی روشنی چار سو عالم میں پھیل چکی ہے۔ کھوئی لٹی اور بکھری ہوئی انسانیت کی فلاح اللہ تعالٰے کے آخری رسول نبی امی صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم کے اتباع میں ہے۔

اور قلب و ضمیر کی روشنی اسی آفتاب ہدایت کی ضیا پاشیوں سے فیض یاب اور سیراب ہونے سے ہی ممکن ہے یہ دولت جاوید اور نعمت لازوال یہیں سے ملے گی۔

اور انسانیت کی فلاح و کامرانی کا یہی واحد راستہ ہے

بمصطفٰے برساں خویش را کہ دیں ہمہ اوست
اگر باو نہ رسیدی تمام بولہبی است

سالانہ اجتماع

اس سال کا سالانہ اجتماع دارالفرقان منارہ ۱۹ جون ۱۹۸۷ء سے شروع ہو چکا ہے، اور انشاء اللہ ۲۶ جولائی ۸۷ء تک جاری رہے گا۔ یہ اجتماع روحانی تربیت کا بہترین ریفریشر کورس ہے۔

اسرار التنزیل

حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ

وَجَعَلْنَا . . . .

وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ ۝ . (سورہ رعد $\frac{۳۷}{۴۰}$)

نبوت ورسالت کے منصب ومقام مرتبہ یا فرائض کے بارے میں ایک بات خلط ملط کر دی گئی ہے شاید انبیا ورسل محض عجائبات دکھانے کیلئے یا کوئی مافوق الفطرت عادت کیلئے تشریف لاتے ہیں اور پھر اس مافوق العادت کی تعین بھی ان پیمانوں سے کی جاتی ہے جو ہماری مادی نگاہ میں یا ہماری وقتی اور لمحاتی سوچ سے ذرہ بالاتر ہوں۔ کوئی بھی ایسا کام جسے ہماری عقل نہ پا سکے مثلاً مختلف فنون ہیں اس دنیا میں جادو ہے شعبدہ ہے علم نجوم ہے کئی قسم کے مسخرات ہیں لوگ کئی جنوں اور شیاطین کے ساتھ عمل کرتے ہیں بعض لوگ پیش گوئیاں کرتے ہیں ان ساری چیزوں میں ایک بات عجیب دیکھنے میں آتی ہے کہ کوئی شعبدہ کوئی شعبدہ باز کوئی نجومی کوئی جادوگر کوئی یوگی اخلاقیات عالیہ کی تعمیر نہیں کرتا یہ طے شدہ بات ہے بلکہ اکثر خود اخلاق سے عاری ہوتے ہیں جب جب کہ انبیاء ورسل کا مقصد ہی بعثت کا فریضہ ہی اخلاقیات عالیہ کی تعمیر ہوتا ہے یہ ایک بنیادی فرق ہے نبی میں اور غیر نبی میں اخلاقیات کی تعمیر جو ہے یہ اتنا اہم اتنا مشکل اور اتنا ادق کام ہے کہ بجز انبیاء ورسل انسانی اخلاق کو تعمیری انداز میں ڈھالنا کسی کے بس کا روگ نہیں ہے انسان محض فلسفے سے محض باتیں کرنے سے محض تقریریں کرنے سے محض کتابیں لکھنے سے کسی سانچے میں نہیں ڈھلتا بگاڑا جا سکتا ہے سنوارا نہیں جا سکتا آپ بگاڑ سکتے ہیں کسی کو شعر و شاعری میں الجھا کر کسی کو ادبیات عالیہ کے راستے میں لگا کر کسی کو مضمون نویسی کے ذریعے یا کسی کو ترغیب دے کر آپ بگاڑ سکتے ہیں اگر سنوارنا اس طرح ممکن ہوتا تو کتنے شعراء کتنی نظمیں کہتے ہیں جن کا انداز تعمیری ہوتا ہے کتنے علماء دنیا بھر میں کتنی تقریریں کرتے ہیں کتنی تحریرات روزانہ شائع ہوتی ہیں روزانہ کے اخباروں میں رسالوں میں کتنے مستقل رسالے ہیں کتنے ہفت روزہ ہیں ان سب نے مل جل کیا کام کیا کچھ بھی تو نہیں ایک وقتی لمحاتی سی بات ہوتی ہے کبھی لوگ سنتے ہیں کبھی سنتے ہی نہیں۔

عیسائی پادری تقریر کر رہا تھا کوئی شخص اٹھ کر نکل گیا اس ہال سے باہر تو اس کے ماتھے پر بل پڑے اور اس نے اس کی بیوی کی طرف دیکھا ناپسندیدگی سے دیکھا کہ میں تقریر کر رہا ہوں یہ اٹھ گیا ہے وہ کہنے لگی آپ برا نہ منائیں انہیں سوتے میں چلنے کی عادت ہے گھر پر بھی چلتے ہیں اس طرح سے یعنی لوگ سو رہے ہوتے ہیں مقرر تقریر کر رہا ہوتا ہے۔

انبیاء و رسل جب مبعوث ہوتے ہیں تو جس شخص کو بھی ایمان نصیب ہوتا ہے وہ معیاری اور مثالی انسان ہوتا ہے اور یہ بڑی عجیب بات ہے کہ اس کے بنانے اور ڈھالنے میں کوئی نہیں لگتا ایمان لاتے ہی انسان بدل جاتا ہے آپ تمام انبیاء و رسل کے حالات جو قرآن کریم میں ارشاد ہوئے ہیں انہیں دیکھیں اور حضور صلے اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے حالات کو خصوصی طور پر دیکھیں آپ دیکھیں گے کہ عرب کے معاشرے میں منتہائے مقصود ذاتی شہرت تھی یا ہوس اقتدار یا دولت یا لذائذ میں گرفتار معاشرت تھی اپنی ذات کے علاوہ انہیں کچھ نظر نہیں آتا تھا سونا جاگنا اٹھنا بیٹھنا ان کا اس لیے تھا کہ پیسہ مجھے ملے اقتدار میرا ہو شہرت میری ہو نام وری میری ہو اور جس قدر رذائل انسانی عادات کے پہلو میں شمار کیے جاسکتے ہیں شاید ہی کبھی پورے معاشرے میں بیک وقت موجود ہوں جتنے اس وقت روئے زمین پر تھے ظلم کو جور و جفا کو بہادری سمجھا جاتا تھا لوٹ مار کو لوگ حق سمجھتے تھے بدکاری کو گناہ نہیں سمجھا جاتا تھا۔

اسی طرح ہم دیکھتے ہیں کہ انہیں حالات و واقعات میں جس شخص کو ایمان نصیب ہوتا ہے اسی آن اسی لمحے اسی وقت وہ شخص اس کی سوچ اس کا ارادہ اس کی آرزو اس کی خواہش تک بدل جاتی ہے اس کا قلب بدل جاتا ہے اس کا قالب بدل جاتا ہے اور یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ حضور اکرم صلے کے صحابہؓ میں سے کوئی ایک صحابی اگر کسی دوسرے ملک میں چلا بھی جاتا تو وہ پہچانا جاتا تھا اپنی نشست و برخاست سے اپنے لباس سے اپنی شکل سے اپنے بات کرنے کے انداز سے ہر چیز میں یعنی ایسی تبدیلی آگئی تھی ہر دیکھنے والا یہ کہہ دیتا تھا کہ یہ شخص حضور اکرم صلی اللہ تعالےٰ علیہ وسلم کے متعلق ہے اور پھر کمال یہ ہے کہ نئے افراد نہیں آئے نئے افراد نہیں بنائے گئے اسی معاشرے سے وہی افراد پکڑ کر اخلاقی اعتبار سے بھی اس بلندی پر پہنچائے گئے جہاں تک انبیاء کے بعد کوئی انسان پہنچ سکتا ہے۔

اس وقت بھی مطالبہ یہی ہوا تھا کیوں کہ جادوگر عمل کا منوں کا دور بھی تھا۔ شعراء بھی تھے ادباء بھی تھے سوار بھی تھے نیزہ باز بھی تھے جنگجو بھی تھے عیاش بھی تھے ڈاکو بھی تھے ہر شخص کا ایک علیحدہ معیار تھا کام کرنے کا اور عجیب عجیب باتیں لوگوں سے سرزد ہوتی تھیں تو مطالبہ یہی تھا کہ اگر آپ نبی اور رسول ہیں تو پھر آپ کا اٹھنا بیٹھنا آپ کی زندگی جو ہے بجائے اخلاقیات عالیہ کے شعبدہ بازی کے طرز پر عجیب حرکات کی طرز پر عام لوگوں سے ہٹ کر ہو تو اللہ کریم ارشاد فرمایا:

وَلَقَدْ اَرْسَلْنَا رُسُلًا مِّنْ قَبْلِكَ آپ سے پہلے بھی انبیاء و رسل دنیا میں مبعوث ہوئے ہر رسول ہر نبی ایک معیاری انسانی زندگی بسر کرتا ہے کسی نبی کی زندگی انسانی معیار سے ہٹ کر نہیں ہوتی وَجَعَلْنَا لَهُمْ اَزْوَاجًا وَّ ذُرِّيَّةً

ان کے بھی ماں باپ بہن بھائی گھر بار بیوی بچے یہ سب کچھ
اسی طرح جس طرح انسانی قانون سے زندگی کا اسی طرح انبیا
بھی تشریف لاتے ہیں اور وہ کوئی شعبدہ باز نہیں ہوتے
کہ وہ بازار میں بیٹھ جائیں اور تماشہ لگائیں اعلان کریں کہ آؤ
تماشہ دیکھو ایسا نہیں ہوتا

وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ
بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ ۔

کسی نبی کے لیے کسی رسول کے لیے یہ بات زیبا نہیں ہے کہ وہ
عجائبات اور خرق عادات کو ظاہر کرتا پھرے ہاں اللہ کے حکم سے
اللہ کی اجازت سے جہاں رب چاہے جو خدا چاہے اللہ چاہے ظاہر
کرنا وہ ظاہر ضرور ہوتی ہے نبی اور رسول کے ہاتھ سے ۔

اور لِكُلِّ اَجَلٍ كِتَابٌ اور خداوند عالم اتفاقاً
ظاہر نہیں کرتے بلکہ ہر فعل جو ہے مقدر ہو چکا ہے معجزات
کا ظہور بھی علم الٰہی میں موجود ہے اور اس ترتیب میں درج
کر دیا گیا ہے جو نظامِ کائنات کی رب العزت نے بنائی ہے
ٹائم ٹیبل میں اسکے اوقات بھی مقرر ہیں اللہ کریم خوب
جانتا ہے کہ کس دور میں کیسے لوگ ہوں گے اور انکی اصلاح
کے لیے کیا شے ضروری ہے یہ اسکی ربوبیت کا تقاضا ہے وہ
رب العالمین ہے جس طرح وجودوں کی ترتیب اس کا ذمہ
اور ٹھیکہ ہے اسی طرح ارواح کی ترتیب بھی اس کا ذمہ اور
ٹھیکہ ہے اور جس طرح وجودوں کیلئے اس نے مختلف غذائیں
مختلف دوائیں مقرر کر دی ہیں اسی طرح ارواح کیلئے بھی
مختلف غذائیں اور مختلف دوائیں مقرر کر دی ہیں آپ اگر
چاہیں تو معجزات انبیاء کو دوا بھی کہہ سکتے ہیں کہ وہ قادر ہے
وہ جانتا تھا کہ معاشرہ اس قدر بیمار ہو گا اس کیلئے یہ دوا ضروری
ہو گی جو اس دوا کو استعمال کرے گا یا اس کے قریب آئے گا
اس کو سمجھ لے گا وہ ٹھیک ہو جائے گا اور جو شخص دوا ہی نہیں
کھائے گا اسے صحت نہیں نصیب ہو گی اس بات کو بھی فرماتا ہے

يَمْحُو اللّٰهُ مَا يَشَآءُ
وَيُثْبِتُ

قضائے مبرم جو ہوتی ہے وہ بھی اسی کے دست قدرت میں ہے
جس چیز کو چاہے مٹا دے جس چیز کو چاہے رکھے قضا بھی دو
طرح سے ہوتی ہے قضائے مبرم اور قضائے معلق قضائے معلق
جو ہوتی ہے اس میں انسانی ارادے انسانی افعال دخل انداز
ہوتے رہتے ہیں ان کے مطابق اس میں تبدیلیاں آتی رہتی
ہیں مثلاً اللہ کریم نے لکھ دیا ہے کہ ایک آدمی اگر اس راستے
سے گزرے گا تو بچ جائے گا اور اگر اس راستے سے گزرے
گا تو سانپ اسے کاٹ لے گا اب اس نے اس شخص کے مزاج
اس شخص کی پسند پہ چھوڑ دیا

ممکن ہے جس راستے پہ سانپ بیٹھا ہے اس طرف کوئی دنیاوی
دلچسپی ہو اور جس طرف سانپ نہیں بیٹھا اس طرف نرا دین ہی
ہو یا محض کوئی مجاہدہ ہو اب عین ممکن ہے کہ وہ شخص یہ راستہ
اختیار کرے کہ نہیں میں تو مجاہدہ کروں گا میں تو نیکی کروں
گا اور اس نیکی کو پانے کے ساتھ ساتھ اس مصیبت سے بھی
بچ جائے اب وہ اس کی پسند پر ہے اِنَّا هَدَيْنٰهُ
السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۝

(سورہ الدھر : ۳)

کہ وہ کیا فیصلہ شکر کا کرتا ہے یا ناشکری کا وہ کہتا ہے چھوڑو جی
کون کرتا پھرے عبادت کو میں یہ راستہ شارٹ ہے یہاں سے
نکل جاؤں تو ممکن ہے اسے سانپ کاٹ لے اب اس کا

کاٹنا یا اس سے بچانا یا نہ کرنا یہ قضائے معلق ہے ۔
اور ایک فیصلہ ہوتا ہے اسے سانپ ضرور کاٹے گا ۔
اس راستے جائے یا اس راستے جائے یہ ہوتی ہے قضائے مبرم
جو ٹل نہیں سکتی

اِنَّ اَجَلَ اللّٰهِ اِذَا جَآءَ لَا يُؤَخَّرُ (سورہ نوح: ۴)

جب وہ مقرر وقت آجاتا ہے تو اس میں تاخیر نہیں ہوتی تو
فرمایا معجزات کے ظہور کا یا کرامات کے اظہار کا یا مافوق العادات
کے ظہور کا بھی عنداللہ ایک وقت مقرر ہے جب اس کی ضرورت
ہوتی ہے تب یہ ظاہر ہوتے ہیں کیونکہ اللہ رب العالمین ہے
اور معجزات من جملہ ادویات کے ہیں تو جب وہ چاہتا ہے
حکیم مطلق کہ اس معاشرے کو یہ کوئی نئی ضرورت ہے اور اس
کے لیے اس کی ضرورت ہے س معاشرے پہ چھوڑ دیتا ہے
اس میں سے جو اس دوا کو قبول کرتا ہے

اِنَّا هَدَيْنٰهُ السَّبِيْلَ اِمَّا شَاكِرًا
وَّاِمَّا كَفُوْرًا ۔ (سورہ الدھر: ۳)

جو قبول کر لیتا ہے اسے شفا ہو جاتی ہے لیکن جو قبول نہیں کرتا
دوا ملنے کے بعد بھی کھاتا نہیں یوں ہی بوتل میں بھر کے رکھ دے
کیا فائدہ ہوگا ایک ہی میدان میں فرعون بھی تھا اس میدان
میں جادوگر بھی جادوگروں کو ایمان نصیب ہو گیا انہوں نے
قبول کر لیا بات کو اور اسی بات کو فرعون نے جھٹلا دیا
کہنے لگا تم آپس میں ملے ہوئے ہو یہ تمہاری سازش ہے یہ مجھے
تمہارا استاد معلوم ہوتا ہے حالانکہ وہ خوب جانتا تھا کہ جادوگروں
نے تو زندگی میں پہلی مرتبہ فرعونی دربار دیکھا تھا موسیٰ علیہ السلام
تو پلے بڑھے ہی اس کے گھر میں تھے تو فرمایا انبیاء و رسل ذاتی
شہرت کے لیے محض اپنے اقتدار کے لیے یا صرف دولت
جمع کرنے کیلئے معجزات نہیں دکھاتے بلکہ یہ من جانب اللہ
مقرر شدہ ہوتی ہے فلاں وقت فلاں معجزہ ظاہر ہوگا یا کرامت
ظاہر ہوگی یا فلاں خرق عادت بات ظاہر ہوگی اور یہ ہوتی ہے ان
کے منصب اور مقام کی تعین کیلئے اور بنیادی طور پر ان کا منصب
و مرتبہ اور مقام ہی یہ ہوتا ہے ۔

وَاِنْ مَّا نُرِيَنَّكَ بَعْضَ الَّذِىْ
نَعِدُهُمْ . . . .
عَلَيْكَ الْبَلٰغُ وَعَلَيْنَا الْحِسَابُ (سورہ الرعد: ۴۰)

یعنی جتنے وعدے آپ کرتے ہیں عذاب و ثواب کے جنت و دوزخ
بھی آپ لوگوں کے سامنے کر دیں اگر آپ لوگوں کو مرے زندہ کر کے
لا دیں کوئی بھی عجیب سی بات کر دیں یا کچھ بھی ہو جائے ۔
مقصود وہی ہے علینا البلاغ وعلینا الحساب نبی کے ذمہ ہے
اللہ کے احکام کو پہنچا دینا اور فرمایا حساب ہم نے لینا ہے
خواہ اس کے لیے کتنے معجزات ظاہر ہوں خواہ اس کیلئے کوئی معجزہ
بھی ظاہر نہ ہو بنیادی کام جو نبوت کا ہے وہ تعمیر انسانیت ہے
اب معجزات جو ہیں یا خرق عادات جو ہیں وہ بھی اسی نقطے کے
گرد پھرتے رہیں گے کہ تعمیر انسانیت کے لیے ان کا ظہور ہوگا اور
جب خدا چاہے گا کیونکہ وہ رب العالمین ہے اور وہ خوب جانتا
ہے کہ کس وقت کونسی چیز ظاہر ہونی چاہیے یا اس کی ضرورت
ہے بھی یا نہیں ۔
اور فرمایا اگر ساری عجیب باتیں آپ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کے ہاتھ پر
بیک وقت صادر ہو جائیں مثلاً یہ لوگ کہتے ہیں آپ فرماتے ہیں
کہ قیامت قائم ہوگی یا جو پہلے مر گئے ان میں سے کسی کو زندہ
کر دیجئے ہم اس بات پہ یقین کر لیں گے ۔
کہتے ہیں عبدالمطلب بہت راست گو آدمی تھے آپ کے بھی دادا تھے

آپ انہیں کو زندہ کر دیجئے ہم ان کی بات مان لیں گے پہلے بھی تو لوری دادی ان کی بات مانا کرتی تھی تو اسی طرح کی باتیں کفار بھی کیا کرتے تھے اللہ کریم نے فرمایا ان چیزوں کا تعلق معجزات کے اظہار کا تعلق تمہارے مطالبات سے نہیں ہے بلکہ حکمت باری سے ہے وہ خوب جانتا ہے کہ کونسا معجزہ کب ظاہر ہونا چاہیے اور اگر تمہارے کہنے کے مطابق تمام مردے بھی زندہ کر دیے جائیں یا جو وعدے ہیں ان میں سے کوئی بات ظاہر کر دی بھی جائے تو کیا منصب نبوت بدل جائے گا ہرگز نہیں بات تو وہیں رہے گی علیک البلاغ کہ آپ کے ذمہ احکام الٰہی کا پہنچانا ہے ۔ میرا یہ کام ہے کہ میں آپ کی کارکردگی کو بھی پرکھوں اور لوگ جو آپ کو جواب دے رہے ہیں مثبت یا منفی اس کا اندازہ بھی کروں یہ میرا کام ہے یہ میرا منصب ہے کہ آپ نے کتنا مجاہدہ فرمایا آپ نے اپنی بات پہنچانے میں کتنی محنت فرمائی اور لوگوں میں سے کسی نے کیا جواب دیا اس سب کا حساب لینا یا اس سب پر اجر مرتب کرنا کسی کو فوری انکار پہ غرق دریا کر دوں کسی کو اسی وقت زمین دھنسا دوں کسی کو سو سال مہلت دے دوں اس میں فرمایا کسی کی مداخلت نہیں ہے یہ میرا کام ہے میں جانوں یا میری مخلوق جانے ۔

تو اس طرح سے منصب نبوت جو ہے اس کا بنیادی مقصد متعین ہو گیا کہ محض عجائبات کا دکھانا یہ منصب نبوت نہیں ہے کسی نبی سے زندگی بھر کوئی معجزہ ظاہر نہ ہو لیکن وہ نبی ہو اس پر وحی آتی ہو تو اللہ کے احکام لوگوں تک پہنچانے میں کوئی کمی کوئی کمزوری واقع نہیں ہوتی تو اگر کسی نبی سے کروڑوں معجزات صادر ہو جائیں تو صرف ان معجزات کی وجہ سے اسکی نبوت برحق نہیں سمجھی جائے گی چونکہ معجزات کا ظاہر کرنا بنیادی طور پر فرائض نبوت میں سے نہیں ہے بلکہ اللہ کی ربوبیت سے متعلق ہے رب العالمین نے جیسے وجودوں کی ترتیب کرنی ہے اب وہ خوب جانتا ہے کہ کب کہاں کتنی بارش ہونی چاہیے ہم بڑی دیر سے گھبرا رہے ہیں دعائیں مانگ رہے ہیں کہ یہاں بارش ہو اور یہاں نہیں ہوتی اور ارد گرد سارے ملک میں ہوتی ہے وہ خود بہتر جانتا ہے کہ کب کہاں اور کتنی بارش ہو اس کے مطابق وہ دے رہا ہے اسی طرح جس طرح اس روئیدگی کے لیے دنیوی زندگی کیلئے یہ بارش ہے اسی طرح بعض امور کی اصلاح کے لیے یا بعض جگہ تعمیری ضرورت کے لیے معجزات کا ظہور ہوتا ہے تو جب اللہ کریم ضروری سمجھتے ہیں کہ کونسا معجزہ کس وقت کن لوگوں کے سامنے ظاہر ہونا چاہیے تو وہ ظاہر ہو جاتا ہے اس کے علاوہ نبی کا

وَمَا كَانَ لِرَسُولٍ أَنْ يَأْتِيَ بِآيَةٍ إِلَّا بِإِذْنِ اللَّهِ ۔

کسی نبی کا یہ منصب ہی نہیں کہ اپنی مرضی سے شعبدہ بازوں کی طرح مداریوں کی طرح لوگوں کو اکٹھا کر کے تماشہ دکھاتا پھرے نبی اس لیے مبعوث نہیں ہوتے اور پھر یہ بنیادی بات ہے کہ جتنے شعبدہ باز جتنے مداری جتنے جادوگر جتنے یوگی کے ماہر ٹیلی پیتھی کے ماہر ہوتے ان سب کی اپروچ ان سب کا آپ کہہ سکتے ہیں پہنچ جہاں تک ان کا دائرہ کار ہے وہ بھی اسی جگہ تک پہنچ سکتا ہے جہاں تک آپ مادی طور پر کسی مشین کے ذریعے بھی پہنچ سکتے ہیں کسی مادی قوت سے بھی پہنچ سکتے ہیں ۔ مثلاً جادوگر اگر جادو کے زور سے اڑ کر جا سکتا ہے تو آپ ہوائی جہاز پر بیٹھ کر جا سکتے ہیں جائے گا وہ بھی وہاں تک جہاں تک آپ کا ہوائی جہاز جائے گا اگر آسمان سے اوپر

کر اس نہیں کر سکتا اگر آپ کی موٹر برزخ میں داخل نہیں ہو سکتی تو جادوگر یا یوگا کا ماہر بھی برزخ میں داخل نہیں ہو سکتا اگر آپ کسی سائنسی تجربے سے کسی تیزاب سے جلا کر کسی سرجری سے انسان کا حلیہ بدل سکتے ہیں تو شاید جادوگر کسی جادو سے بدل سکے لیکن کر وہ بھی وہی سکے گا جو آپ کے پاس وہ ذرائع ہو تو مادی طور پر بھی وہ کیا جا سکتا ہے ۔ یا پھر جو کچھ وہ کرے گا اس کی حقیقت نہیں ہو گی وہ صرف آپکو تخیل لہم آپ کی قوت متخیلہ کو متاثر کرے گا تو یہاں ہم بیٹھے ہیں مکان یہی ہیں اور ہمارے خیال میں تو مکان ہوا میں معلق ہے تو مکان تو ہوا میں معلق حقیقتاً نہیں ہو گا ۔ ہم یہ دیکھ رہے ہونگے کہ ذ زمین تو نیچی رہ گئی ہے ہماری قوت متخیلہ متاثر ہو جائے گی پھر دیکھیں گے کہ مکان تو نیچے آگیا کہ اگر واقع ہی ہوا میں معلق ہو گیا تو پھر تو ساری دنیا دیکھے ہر کوئی دیکھے لیکن جو متاثر ہوتے ہیں جادو سے وہی دیکھتے ہیں دوسروں کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا اسی طرح آپ مداری کو دیکھیں اس کے سارے کردار کی حقیقت اتنی ہوتی ہے ایک عام مداری بازار میں تماشہ کر رہا ہے مٹی کی چٹکی لی مٹھی میں اس پر کچھ پڑھا مٹھی کھولی تو اس میں روپیہ تھا میں نے خود بارہا دیکھا یہ تماشا اب اگر ایک شخص مٹی کی چٹکی سے روپیہ بنا لیتا ہے تو وہ تو حکومتوں سے بھی زیادہ امیر ہے کیونکہ حکومتوں اور سلطنتوں کو کچھ دھات تو ڈھالنی پڑتی ہے لیکن اس سارے کرتب کے بعد وہ چادر بچھا کر کہتا ہے کہ کوئی آنہ پیسہ خدا کے نام پر دو پتہ چلتا ہے یہ سارا جھوٹ تھا فریب تھا کچھ ہاتھ کی صفائی تھی یا قوت متخیلہ کو متاثر کیا یا کوئی بھی جو کچھ کیا اس میں حقیقت نہیں تھی محض دکھانا ہی دکھانا تھا

انبیاء و رسل جو تعمیر کرتے ہیں اس کام کا اتنا گہرا اتنا مضبوط اثر ہوتا ہے کہ وہ انسانی دنیوی تاریخ کے ساتھ برزخ اور آخرت تک کو متاثر کرتا چلا جاتا ہے پھر جو بات نبی اور رسول ارشاد فرماتے ہیں وہ دنیا میں بجز انبیاء کے کوئی بتا سکا ہی نہیں برزخ کی بات الٰہیات کی بات اوصاف باری کی بات ذات باری کی بات اس زندگی سے بعد کی بات اس زندگی سے پہلے کی بات یہ ساری چیزیں ایسی ہیں صرف نبیوں اور رسولوں سے ارشاد فرمائی ہیں کوئی بڑے سے بڑا کیمیا دان ، محقق ، شعبدہ باز اس میں رسائی حاصل نہیں کر سکا کوئی بڑے سے بڑا ستارہ شناس کوئی بڑے سے بڑا نباض ان حقیقتوں کو نہیں پا سکا جو وحی الٰہی کے ذریعے انبیاء علیہ السلام کو ودیعت کی گئی ۔

اگر ستاروں کی چال سے کسی نے اندازہ لگایا ہے تو ستاروں کو چلانے والا بھی تو وہی ہے آج اس نے جس ستارے کو مشرق کی سمت جاتے دیکھ کر اندازہ لگایا ممکن ہے اس نے دوسری طرف دیکھا اور اس نے مغرب کی طرف چلنا شروع کر دیا ہاتھ کی لکیریں دیکھ کر لوگ اندازہ لگاتے ہیں میں نے پوچھا تھا ایک سے کہ یہ جو اندازہ لگاتے ہیں تو کیا یہ لکیریں مستقل ہوتی ہیں اندازہ صحیح رہتا ہے کہنے لگا یہ ممکن نہیں ہم اندازہ لگاتے ہیں جس وقت ہم دیکھ رہے ہوتے ہیں دوسرے لمحے وہ اور سی ہو سکتی ہیں ۔

یعنی جس طرح ایک حکیم نبض دیکھ کر اندازہ لگاتا ہے آپ حیران ہو جاتے ہیں اگر نباض ہو ماہر ہو تو وہ آپ کے ہفتہ بھر کی غذا اور معمولات سوچ بچار تک کو پا لیتا ہے محض اس کے خون کی دھڑکن سے وہ اندازہ کر لیتا ہے ایک تجربہ ہے اس کا اسی طرح کے باقی یعنی ستارہ شناسی میں بھی یا یہ جو

پیش گوئیاں کرتے ہیں ان میں بھی محض ایک تجربہ کار فرما ہوتا ہے انسان کے حالات و واقعات کو دیکھ کر اندازہ کر لیتا ہے بعض اوقات وہ درست بھی ہو سکتا ہے غلط بھی ہو سکتا ہے لیکن جو بات نبی اور رسول فرما دیتا ہے غلط نہیں ہو سکتی یہ بنیادی فرق ہے وہ الکلام من اللہ ہوتا ہے اور وہ مستقل بات ہوتی ہے دونوں عالم کو متاثر کرتی ہے پھر بنیاد جو اللہ کریم نے علیحدہ کر دی وہ یہ ہے کہ نبی اور رسول کا منصب ہی تبلیغ ہوتا ہے۔

وعلیک البلاغ وعلینا الحساب۔ خواہ کچھ بھی ہو جائے خواہ کتنے عجائبات ظاہر ہو جائیں خواہ کچھ بھی ظاہر نہ ہو منصب نبوت میں فرق نہیں پڑتا نبی کا فریضہ تعمیر انسانیت ہوتا ہے اور آپ دیکھ لیں جادوگر شعبدہ باز منجم ستارہ شناس ہر دور میں رہے ہیں جب حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم مبعوث ہوئے قیصر جو تھا خود بڑا منجم تھا اس نے پیش گوئی کی تھی یہ بھی اس نے پیش گوئی کی یہاں جس جگہ میں بیٹھا ہوں یہ نئے مبعوث ہونے والے نبی کے تسلط میں چلی جائے گی یہ نہیں رہ سکتی اس طرح کا وہ ماہر منجم تھا لیکن کیا اس کے اس علم نجوم نے اس کی قوم کو ہدایت بخشی کیا کسی انسان کا مزاج اتنا بڑا حکمران ہونے کے باوجود بدل سکا کسی کو صحیح راستے پہ لگا سکا کیا کسی کی کوئی اصلاح کر سکا خود اسکی اپنی اصلاح ہو سکی وہ خود کافر رہا اوروں کی کیا کرتا یعنی خود اسکی اپنی ذات نہ سنور سکی چونکہ اصلاح کے لیے ایمان بنیاد ہے بجز ایمان کسی کے عمل کو اصلاح کہنا حماقت ہے سب سے پہلی بات ایمان ہے اور پھر اس کے بعد نیک عمل شروع ہوتا ہے اس کے ایمان کی قوت اسکو نیکی پہ مجبور کرتی ہے اور ایمان ایک اندرونی کیفیت کا نام ہے جو نبی اور رسول کے قرب اور اسکے واسطے سے حاصل ہوتا ہے نبی کا رسول کا قرب نصیب نہ ہو تو ایمان نصیب ہوتا ممکن ہی نہیں یہ علیحدہ بات ہے کہ انبیاء و رسل کے علاوہ اگر کوئی بچا ہے تو کوئی بہت ہی کھری طبیعت کا مالک ہو تو بہت ہی صالح انسان ہو تو وہ برائی سے بچ سکے گا تو نیکی کی خبر نہیں ہوگی۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے جو لوگ تھے عہد فطرت میں اگر انہیں یہ نصیب تھا کہ خدا کے ساتھ کسی کو شریک نہیں کرنا چاہیے تو یہ بھی محض انکی عقلی کاوش نہیں تھی انبیاء سابقہ کی تعلیمات میں سے ایک بات ضرور آرہی تھی کہ خدا وحدہ لاشریک ہے۔

اگر کوئی جنگل و صحرا میں ہو آبادی کی بو نہ پا سکے اسے کوئی شخص نہ ملے تو اسکا ایمان بھی صرف اتنا ہو سکتا ہے کہ اس کائنات کو بنانے چلانے والا کوئی ہے اور ایسا ہے جو جانتا بھی ہے سارے فنون و علوم کو بھی اور قادر بھی ہے ہر چیز کو بنانے بگاڑنے پہ جو چاہے کر سکتا ہے اس سے زیادہ ایمان ممکن ہی نہیں بجز نبی اور رسول کے۔ ذات باری۔ صفات باری اور مرضیات باری خدا کی ذات کیسی ہے اس کے اوصاف کیا ہیں اور کیا بات اس کو پسند ہے کس طرح سے اس کا قرب حاصل کیا جا سکتا ہے یہ بجز نبی اور رسول کے جان سکتا ہی نہیں اور یہ اتنی بڑی عجیب بات ہے اتنا بڑا معجزہ ہے اتنی بڑی بات ہے کہ کوئی عقل انسانی اس تک از خود نہیں پہنچ سکتی باقی سارے شعبدات باقی سارے علوم نجوم ہوں یوگ ہو یا ٹیلی پیتھی ہو لوگ محنت کر کے مشقت کر کے حاصل کر سکتے ہیں لیکن یہ بات بجز قرب نبوت ممکن ہی نہیں انسانیت کے لیے کہ اسے پا سکے۔

تو اس طرح یہ سب جو ہیں جادو یا شعبدے اور نبوت ان کے راستے بنیاد ہی سے جدا ہو جاتے ہیں اور معاشرے میں خرابی یہ ہے کہ لوگوں نے اسے خلط ملط کر دیا یہی وجہ ہے کہ ہر شعبدہ باز کو ولی سمجھ لیا جاتا ہے اور جو شعبدہ بازی نہ

کرے وہ کتنا ہی صالح انسان ہو اسے ولی نہیں تسلیم کیا جانا چاہئے دور میں یہ وباعام ہو گئی ہے آپ دیکھیں عملی زندگی میں بدکار ہے عقائد سے واقف تک نہیں ہے بلکہ اکثر اوقات کافر ہیں مرتد ہیں لیکن بعض عجائبات انہوں نے تماشے بنا رکھے ہیں دنیا ان پر فریفتہ ہے کسی بتا دیا کہ شام کو تم نے یہ کھایا ہے کسی کو بتا دیا کہ تم یہ سوچ رہے ہو تو یہ نیکی یا نبوت یا ولایت کے مقاصد میں سے نہیں ہے اللہ کریم فرماتے ہیں اگر تمام عجائبات بے شمار عجائبات بیک وقت ظاہر کر بھی دے جائیں تو نتیجہ کیا ہو گا طے شدہ بات تو یہ ہے کہ ۔

فَاِنَّمَا عَلَیْکَ الْبَلَاغُ

یہ بڑی طے شدہ بات ہے کہ آپکے ذمہ تعمیر انسانیت ہے دین کیا ہے تعمیر اخلاقیات عالیہ اور اخلاق ایک ایسی چیز ہے کہ تعمیر کرنے والا خود صاحب اخلاق ہو گا تو وہ اخلاق کی تعمیر کر سکتا ہے عمارت تعمیر کرنی ہو تو بنانے والے معمار کا اپنا گھر ہو نہ ہو اسے دیں وہ چیزیں تو اسی سے وہ آپ کے لیے گھر بنا دے گا آپکی صحت کی کیلئے دوا دینے کے لیے ڈاکٹر خود اگر مرض الموت میں بھی مبتلا ہو آپکو نسخہ لکھ کر دے سکتا ہے لیکن اخلاق ایک ایسی شئے ہے اس کا معمار خود پہلے صاحب اخلاق ہو گا تب تعمیر اخلاق کر سکتا ہے ورنہ نہیں اسی لیے انبیاء علیہ السلام اخلاق کی ان بلندیوں پر ہوتے ہیں جہاں ان سے خلاف اخلاق کسی بات کا صدور ممکن ہی نہیں اسی کو عصمت نبوت کہتے ہیں یعنی نبی معصوم عن الخطا ہوتے ہیں ان سے اخلاق سے گری ہوئی بات کا صدور ممکن ہی نہیں اور اگر اس معیار پر کسا جائے تو بے شمار عجائبات دکھانے والے اس سے پیچھے رہ جاتے ہیں موسیٰ علیہ السلام نے تو ایک اژدھا بنایا تھا اور جادوگروں نے ہزاروں بنا لیے تھے اگر وہ محض عجیب بات دکھانے میں ہو تو پھر تو وہ جیت گئے لیکن جو اخلاقیات موسیٰ علیہ السلام کے تھے کیا وہ جادوگروں کے تھے اگر خدانخواستہ آپکی لاٹھی سانپوں کو نہ بھی کھاتی یہ تو رب کی مرضی اس نے چاہا کہ اس اس لاٹھی کو غلبہ دیا جائے تاکہ یہ سب لوگوں کے کفر کا سبب نہ بنے لوگوں کو دکھا دیا جائے کہ حق کس کی طرف ہے ۔ لیکن اگر خدانخواستہ وہ اپنی لاٹھی پکڑ کر لے جاتے اپنی شہتیریوں کو پھر اپنی شہتیریاں بنا کر چلے جاتے تو کیا وہ حق پر ہو جاتے تو کیا وہ لوگوں کی اصلاح کر سکتے تھے تو وہ جادوگر تعمیر انسانیت کر سکتے تھے ان کی اپنی جب اخلاقیات درست نہیں تھیں دوسرے کے اخلاق کس طرح سنوار سکتے تھے اور نبی اور رسول کا بنیادی مقصد تعمیر اخلاق اور تعمیر انسانیت ہوتا ہے یہ ہے بنیادی بات اب جو شخص بھی اور اس کا جو کام بھی تعمیر انسانیت کرنے والا ہو گا اللہ کی طرف سے ہو گا

یہ الزام :- ہمارے ذمہ بھی لگایا گیا تھا ایک مولوی صاحب نے کہا تھا کہ مولانا اللہ یار خان مسمریزم کرتے ہیں اور لوگوں کو عجیب چیزیں نظر آتی ہیں تو جس سے اس نے کہا کہ بات مولانا ایک ہے ان کے پاس بیٹھنے والے آدمی کا اخلاق بھی سدھر جاتا ہے اور عمل بھی درست ہو جاتا ہے اور اگر اصلاح مسمریزم سے ہی ہو جائے تو غرض تو اصلاح احوال ہے نا پھر تو وہ مسمریزم بھی مبارک ہے ۔

چلو مسمریزم ہی سہی لیکن غرض تو ہے انسان کی اصلاح ہو جائے عقائد میں بھی اعمال میں بھی تو جس چیز سے انسان کی اصلاح ہوتی ہے آپ اس کو مسمریزم کا نام نہ دیں یہ برکات نبوت سے ہوتی ہے اگر مسمریزم سے یا ٹیلی پیتھی سے اصلاح

اسلام عورت سے کیا چاہتا ہے؟

پروفیسر عبد الرزاق

تجربہ اور مشاہدہ یہ ہے کہ ہر چاہنے والا جس شخص کو یا جس چیز کو چاہتا ہے اپنے فائدے کے لیے چاہتا ہے۔ وہ فائدہ خواہ مادی اور حسّی ہو یا ذہنی اور معنوی۔ لیکن اس کے برعکس اسلام اپنے ماننے والوں سے جو کچھ چاہتا ہے وہ ان کے فائدے اور آرام کے لیے ہی چاہتا ہے۔ وجہ ظاہر ہے کہ اسلام اللہ تعالےٰ کا پسندیدہ دین یا ضابطۂ حیات ہے اور اللہ تعالےٰ احتیاج سے پاک ہے۔ اس لیے وہ اپنے بندے سے جو چاہتا ہے وہ بندے ہی کے فائدے کے لیے ہوتا ہے۔

یہ اصولی بات ہوئی۔ اب آیئے عنوان کی طرف کہ اسلام عورت سے کیا چاہتا ہے؟ اس حقیقت کا کھوج لگاتے ہوئے یہ بات ذہن سے اوجھل نہ ہونے پائے کہ اسلام، عورت سے جو چاہتا ہے وہ عورت ہی کے فائدے، آرام اور اس کے وقار اور تقدّس کی حفاظت ہی کے لیے چاہتا ہے۔ اور اسلام کے خادم یا نمائندے جب عورت کو اسلام کا مطالبہ یاد دلاتے ہیں تو اس سے غرض بھی عورت کا مفاد ہوتا ہے۔ خدام اسلام کا اپنا کوئی مفاد نہیں ہوتا۔ اس لیے عورت کو یہ چاہیئے کہ وہ اس حقیقت کو بھلا کر اس اخلاقی پستی پر نہ اتر آئے کہ برملا کہنے لگے کہ ”علماء کو کیا ہو گیا ہے کہ عورت کے پیچھے پڑے ہوئے ہیں۔“

اسلام اپنے ماننے والوں سے جن امور کا مطالبہ کرتا ہے ان کی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جن میں مرد اور عورت دونوں اصناف مخاطب ہوتے ہیں۔ مثلاً:

(۱) قُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَاَهْلِيْكُمْ نَارًا (۶۶:۶)

یعنی ”اے اہلِ ایمان! اپنی ذات کو اور اپنے گھر والوں کو آتشِ جہنم سے بچاؤ۔“

ظاہر ہے کہ اس مطالبہ سے اسلام کا کچھ سنورتا بگڑتا نہیں بلکہ یہ مطالبہ اہلِ ایمان کے فائدے کے لیے ہے جس میں مرد اور عورت دونوں شریک ہیں اور یہ فائدہ بھی کوئی وقتی اور عارضی نہیں بلکہ دائمی اور ابدی ہے۔

اِس خطاب میں عورت کی ذمہ داری مرد کی نسبت زیادہ ہے۔ کیونکہ ایک تو عورت نے اپنے آپ کو بچانے کی فکر کرنی ہے۔ دوسری بڑی ذمہ داری یہ ہے کہ ماں کی گود بچّہ کا پہلا مدرسہ ہوتا ہے جس میں تعلیم بھی ہے اور تربیت بھی۔ جب بچّہ اس قابل ہوتا ہے کہ مرد یعنی باپ کو تربیت کا سلسلہ شروع ہو۔ اس سے پہلے بچّہ کو جو کچھ بننا ہوتا ہے وہ بن چکا ہوتا ہے اور اس کو یہ کچھ بنانے کی ذمہ دار یعنی عورت ہوتی ہے۔ اگر عورت ہی بچّہ کو لوریاں دے دے کر جہنّم کے لیے تیار کرتی رہے تو دنیا کی کوئی طاقت اسے جہنّم سے بچا نہیں سکتی۔ یعنی اسلام، سب سے پہلے عورت سے یہ چاہتا ہے کہ وہ اپنے آپ کو اور اپنے بچوں کو جہنّم سے بچائے۔

(۲) اسلام، صرف یہ حکم نہیں دیتا بلکہ آگ سے بچنے کی تدبیر بھی بتاتا ہے۔

(۱) یقیناً اللہ کے حکم کے سامنے سرِ تسلیم خم کرنے والے مرد اور عورتیں،

(۲) دل میں اللہ پر ایمان و یقین رکھنے والے مرد اور عورتیں،

(۳) فرمانبردار مرد اور فرمانبردار عورتیں،

(۴) راستباز مرد اور راستباز عورتیں،

(۵) صبر کرنے والے مرد اور صبر کرنے والی عورتیں،

(۶) فروتنی اور خشوع والے مرد اور عورتیں،

(۷) صدقہ کرنے والے مرد اور صدقہ کرنے والی عورتیں،

(۸) پابندی سے روزہ رکھنے والے مرد اور ایسی ہی عورتیں،

(۹) اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والے مرد اور حفاظت کرنے والی عورتیں،

(۱۰) کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والے مرد اور کثرت سے یاد کرنے والی عورتیں،

اللہ نے ان کے لیے غلطیوں کی معافی اور بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔" (۳۳ : ۳۵)

یعنی اسلام، یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس کے ماننے والے مرد ہوں یا عورتیں یہ دس اعتقادی اور عملی وصف اپنے اندر پیدا کرلیں تاکہ نہ صرف آگ سے بچ جائیں بلکہ بہت بڑے انعامات کے مستحق قرار پائیں۔ اور ابدی زندگی نہایت سکون اور عیش سے بسر کر سکیں۔

(۳) اللہ کریم نے انسان کو کارزارِ حیات میں حصّہ لینے کے لیے جو اسلحہ عطا فرمایا ہے اس میں حواسِ خمسہ کو خاص اہمیت حاصل ہے۔ پھر ان میں سے بھی انسان کو سب سے زیادہ جس قوّت پر

پر اعتماد ہوتا ہے وہ قوتِ باصرہ ہے اور یہ اعتماد بعض اوقات جب حد سے تجاوز کر جاتا ہے، تو انسان بڑی ڈھٹائی سے یہ کہہ دیتا ہے کہ خدا جب نظر نہیں آتا تو ہم اسے مانیں کیوں؟

سیرت کی تعمیر یا اس کے بگاڑ میں بھی زیادہ حصہ باصرہ ہی کا ہوتا ہے۔ اس لیے اسلام اپنے ماننے والوں سے یہ مطالبہ کرتا ہے کہ اس پھاٹک پر لازماً پہرہ بٹھائیں۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

"اے میرے حبیب! اہلِ ایمان مردوں
سے کہہ دیں کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھا
کریں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت
کریں یہ ان کے لیے بڑی پاکیزگی کی
بات ہے۔" (۲۴ : ۳۰)

"اور اے میرے حبیب اہل ایمان
عورتوں سے کہہ دیں کہ اپنی نگاہیں
نیچی رکھا کریں اور اپنی شرمگاہوں
کی حفاظت کیا کریں۔" (۲۴، ۳۱)

اس حکم میں نگاہوں کی حفاظت اور شرمگاہوں کی حفاظت کو یکے بعد دیگرے بغیر فاصلہ کے بیان کیا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ ان دونوں کا آپس میں فطری تعلق ہے اس لیے نگاہیں آوارہ ہو جائیں تو شرمگاہوں کی حفاظت ممکن ہی نہیں ہوتی۔ یہ حکم بھی جہنم سے بچانے کی ایک تدبیر ہے۔ اسلام کے یہ بین مطالبے اپنے ماننے والے مردوں اور عورتوں دونوں سے ہیں اور ہیں بھی انہی کی بہتری، سکون، آرام اور سکھ کے لیے۔

اب یہ دیکھنا ہے کہ اسلام خاص طور پر عورت سے کیا چاہتا ہے۔ اس سلسلے میں ایک اصولی بات پیشِ نظر رہے کہ خالق انسان نے انسان کی سرشت میں یہ خاصیت رکھ دی ہے کہ وہ طبعاً نقال واقع ہوا ہے اس لیے زندگی کے ہر میدان میں وہ نمونہ دیکھ کر اس کی نقل کیا کرتا ہے۔ اسلام نے انسان کے اس فطری داعیہ کی تسکین کے لیے پورا اہتمام فرمایا ہے۔ چنانچہ ارشاد باری ہے:

"تمہارے لیے اللہ کا رسول بہترین نمونہ ہے"
(۳۳ : ۲۱)

اس سلسلے میں دوسرا پہلو سمجھنے کے لیے دو باتیں پیشِ نظر رہیں۔

اوّل یہ کہ بچہ کے لیے بہترین نمونہ ماں ہوتی ہے۔ دوم یہ کہ اللہ کریم نے رسولِ کریمؐ کی ازواج مطہرات کو اُمت کی مائیں قرار دیا ہے۔ گویا مسلمان عورتوں کے لیے بہترین نمونہ امہات المومنین ہیں اور یہ وہ مقدس ہستیاں ہیں کہ اللہ کریم خود ان کا معلم ہے اور رسولِ کریمؐ کی ذات ان کی مربی ہے۔ گویا ان کی تعلیم اور تربیت دونوں معیاری ہیں۔ اس لیے جب یہ دیکھیں گے کہ اسلام، عورت سے کیا چاہتا ہے تو پہلے مرحلے پر یہ دیکھنا ہوگا کہ اسلام نے امہات المومنین سے کیا مطالبہ کیا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے:

(۱) "اے نبی! اپنی بیویوں سے کہئے کہ اگر تمہارا مقصدِ حیات دنیوی لذات اور زینت و آرائش ہے تو آؤ میں تمہیں کچھ دے دلا کے رخصت کر دوں اور اگر تم اللہ کی رضا اور رسول ؐ کی خوشنودی اور آخرت کی عیش چاہتی ہو تو اللہ نے خلوص سے اطاعت کرنے والیوں کے لیے بہت بڑا اجر تیار کر رکھا ہے۔"

(۳۳ : ۲۰/۲۹)

یعنی اسلام، عورت سے یہ چاہتا ہے کہ اپنے متعلق سوچ سمجھ کے فیصلہ کرے کہ اسے دنیوی لذات آرائش و زینت اور دعوتِ نظارہ دینے کا شوق ہے تو بے شک پورا کرے مگر اس صورت میں اللہ کے رسول ؐ سے اس کا تعلق کٹ جائے گا۔ اور اگر اس تعلق کی قدر و قیمت کا احساس ہے اور اسے برقرار رکھنا اور بڑھانا چاہتی ہے تو اسے اللہ کے رسول ؐ کی اطاعت کرنا ہوگی اور دل کی گہرائیوں سے کرنا ہوگی۔ صرف ضابطے کی کارروائی کام نہ دے گی۔

(۲) "اے نبی کی بیبیو! تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو۔ کسی اجنبی شخص سے نرم نرم لہجہ میں باتیں نہ کرنا۔ کیونکہ جس شخص کا دل روگی ہوگا۔ وہ کوئی غلط امید باندھنے لگے گا۔ ہاں دستور کے مطابق وقار سے بات کرو۔ (اگر ضرورت پڑے)"

(۳۳ : ۳۲)

یعنی اسلام اپنے ماننے والی عورت کو پہلے اس امر کا احساس دلاتا ہے کہ تم عام عورتوں کی طرح نہیں ہو کیونکہ تمہارا تعلق محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔ اس سفید چادر پر معمولی سا داغ بھی نہایت بدنما دھبہ معلوم ہوگا۔

اس لیے اس حقیقت کو سامنے رکھنا کہ عورت کی آواز میں ہی اللہ نے کشش رکھی ہے۔ پھر اگر وہ اہتمام کرے نرم اور لوچ سے بات کرے گی تو اس کا اثر معاشرے پر پڑے گا اور معاشرے میں بگاڑ پیدا ہوگا اور یہ بگاڑ انسان کو جہنم میں لے جانے کا ذریعہ بن جائے گا۔ لہٰذا نامحرم سے بات کرنے میں یہ احتیاط ملحوظ رکھنا۔

(۳) "اپنے گھروں میں سکون و وقار اور احساسِ ذمہ داری کے ساتھ رہو اور جس طرح اسلام سے پہلے زمانہ جاہلیت میں بن ٹھن کے باہر نکلتی تھیں اس طرح اب اظہارِ زینت نہ کرو۔ بلکہ گھروں میں رہ کر اپنے فرائض فرائض کی ادائیگی کے ساتھ ساتھ) نماز کی پابندی کرو۔ زکوٰۃ دیتی رہو اور اللہ و رسول ؐ کی اطاعت میں کوئی کسر نہ رہنے دو۔ اے پیغمبر کے گھر والو اللہ چاہتا ہے کہ تم سے ہر میل دور کر کے یوں پاک

کر دے جیسا کہ پاک کرنے کا حق ہے۔"

(۳۳: ۳۳)

جو لوگ سائنسی علوم سے واقف ہیں وہ خوب جانتے ہیں کہ ہر فن یا سائنس کے دو پہلو ہوتے ہیں تھیوری اور پریکٹیکل۔ اور پریکٹیکل کے لیے مخصوص لیبارٹری ہوتی ہے۔ جس میں عملی کام اور تجربات کیے جاتے ہیں۔ اسلام کوئی فلسفہ نہیں بلکہ ضابطۂ حیات ہے۔ اس میں بھی تھیوری اور پریکٹیکل دونوں ہوتے ہیں اور بچے کو وجود میں لانے اور اسے انسان بنانے پھر اللہ کا بندہ بنانے کے لیے لیبارٹری درکار ہے جس میں وہ مسلسل تجربات اور نگرانی کے ذریعے انسان بنتا ہے۔ یہ لیبارٹری گھر ہے اور اس میں ڈیمانسٹریٹر بچے کی ماں یعنی عورت ہے۔ اس لیے اسلام عورت سے یہ چاہتا ہے کہ اس کی یہ لیبارٹری اس کی ہمہ وقت نگرانی کی محتاج ہے۔ اگر اس لیبارٹری میں عورت نے صحیح احساسِ ذمہ داری کے ساتھ کام کیا تو اس سے تربیت پا کر نکلنے والے بچے محمد بن قاسم، طارق بن زیاد، خالد بن ولید، حسن بصری، ابو حنیفہ، عبدالقادر جیلانی، نورالدین زنگی، صلاح الدین ایوبی، ابوبکر رازی وغیرہ بن کر نکلیں گے۔

اس لیے اسلام چاہتا ہے کہ عورت پوری انسانیت کی بہتری کی خاطر اپنی اس لیبارٹری میں پورے سکون سے رہ کر تعمیرِ انسانیت میں کوشاں رہے۔ اس کا یہ فریضہ اتنا بڑا، کٹھن، وقت طلب اور دقت طلب ہے کہ اس سے عہدہ برآ ہونے کے لیے اسے تن من دھن قربان کرنا پڑتا ہے۔ یہ ممکن ہی نہیں کہ اس ذمہ داری کے ساتھ اسے کوئی زائد بوجھ اٹھانے کے لیے بھی مجبور کیا جائے۔ ایسا کرنا یقیناً عورت پہ ظلم ہوگا۔

(۴) ایک اور احتیاطی تدبیر:

"اے نبی! اپنی بیویوں، اپنی بیٹیوں اور مسلمان عورتوں سے کہہ دیجئے کہ (انتہائی ضرورت کے تحت اگر باہر نکلنا پڑے تو) اپنے چہروں پر چادر لٹکا لیا کریں۔" (۳۳: ۵۹)

اسلام عورتوں سے یہ جو چاہتا ہے اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایئے کہ عورتوں کے لیے عربی اردو اور فارسی زبانوں میں مستورات کی اصطلاح وضع کی گئی ہے۔ اور اس اصطلاح میں بھی ایک خاص نکتہ ہے کہ انسان کی یہ عادت ہے کہ کوئی چیز جتنی قیمتی ہو اتنا ہی اسے لوگوں سے نگاہوں سے چھپا کے رکھتا ہے۔ اور جو چیز بیکار، فضول اور ناکارہ ہو اسے یوں ہی پھینک دیتا ہے۔ حتیٰ کہ گھر کا کوڑا کرکٹ جو بالکل بے کار ہوتا ہے، اسے گھر سے باہر ڈھیر پر پھینک دیتا ہے اس اصطلاح میں یہی راز پوشیدہ ہے کہ اسلام

کی نگاہ میں عورت نہایت قیمتی متاع ہے اور اس کے ذمے گھر کی لیبارٹری ہے۔ بڑا اہم کام ہے اس لیے اسے گھر سے باہر نہ پھینک دینا۔ ہاں لیبارٹری کے فرائض کے سلسلے میں اگر اسے کہیں باہر جانا پڑے تو احتیاط کرے کہ غلط نگاہیں کہیں اس کی فطری نزاکت کو خراب نہ کر دیں۔ خوب کہا اکبر نے ہے

نہ رہ سکے گی لطافت جو زن ہے بے پردہ
سبب یہ ہے کہ نگاہوں کی مار پڑتی ہے

یہ وہ مطالبے ہیں جو اسلام نے امہات المؤمنین کے حوالے سے مسلمان عورت سے کیے ہیں۔ اب کچھ ان باتوں کا ذکر ضروری ہے جو اسلام نے صرف مسلمان عورت سے خطاب کر کے کہی ہیں۔

(۱) اسلام نے جہاں امہات المؤمنین کو اور ان کے واسطے سے مسلمان عورتوں کو گھر کی لیبارٹری کی ذمہ داری سونپی ہے، وہاں ایک انتظامی ضابطہ بھی سکھایا ہے۔ اس کی تفصیل یہ ہے کہ کوئی ادارہ ہو، کارخانہ ہو، سکول یا کالج ہو جب تک کوئی ایک شخص اس کا انتظامی سربراہ نہ ہو وہ ادارہ نہیں چل سکتا۔ اگر ایک ہی ادارہ کے دو سربراہ ہوں تو وہاں بناؤ کی جگہ بگاڑ ہوگا یہ ایک ایسی بین الاقوامی مسلّم حقیقت ہے کہ پوری دنیا میں کوئی ایسا ادارہ نہیں ملتا جس کے دو HEAD ہوں۔ اِس لیے لازماً اجتماعی ادارے کا سربراہ لازماً ایک ہوتا ہے۔ باقی عملہ اس کے دست و بازو ہوتے ہیں مل کر تعاون سے کام کرتے ہیں صرف فرق اتنا ہوتا ہے کہ وہ رہنما نگران اور پالیسی میکر ہوتا ہے۔ اور باقی سب اس کی زیرِ نگرانی ادارے کا کام کرتے ہیں۔ اس عالمی اور فطری ضرورت کو سامنے رکھیے اور پھر اسلام کے اس حکم پر غور کیجیے :-

" مرد عورتوں کے نگران کار اور محافظ ہیں۔ اِس لیے کہ اللہ نے بعض کو بعض سے افضل بنایا ہے۔"

اِس کے بعد عورتوں سے اسلام کا مطالبہ یہ ہے کہ :

" مثالی بیویاں وہ ہیں جو مردوں کی رہنمائی میں کام کرتی ہیں اور مردوں کی غیر حاضری میں (ان کی عزت و آبرو اور مال کی) حفاظت کرتی ہیں"
(۴ : ۳۴)

" اور جن عورتوں کی نسبت تمہیں معلوم ہو کہ سرکشی اور بدخوئی کرنے لگی ہیں تو پہلے انہیں زبانی سمجھاؤ (اگر نہ سمجھیں) تو ان کے ساتھ سونا ترک کر دو۔ اگر پھر بھی نہ سمجھیں تو گوشمالی کرو ___ اگر اپنی ذمہ داری پوری کرنے لگیں تو خواہ مخواہ انہیں ایذا دینے کے بہانے نہ ڈھونڈتے پھرو۔" (۴ : ۳۴)

تصور کیجیے اگر کسی ادارے کا عملہ ادارے

کے سربراہ سے صرف عدمِ تعاون ہی نہ کرے بلکہ اسے آنکھیں دکھائے اور ادائیگیٔ فرض سے انکار کردے تو حالات کو درست کرنا کتنا ضروری ہے اور گھر جیسے ادارے کے لیے جو انسان سازی کی لیبارٹری ہے، اگر اصلاحِ احوال کی ضرورت پڑے تو اس سے بہتر کورس کونسا ہے جو اسلام نے دیا ہے اور اگر اس تقسیم کو تسلیم نہ کیا جائے تو یہ انسانیت کی کونسی خدمت ہوگی۔

(۲) عورت کو تمدنی ضرورت کے لیے اپنی لیبارٹری سے باہر جانا پڑے تو اس کے لیے اسلام چند احتیاطی تدابیر سکھاتا ہے۔ ارشاد ہے:

"اپنی آرائش اور زینت کو ظاہر نہ ہونے دیا کریں۔ ہاں جو حصہ ان میں سے کھلا رہتا ہو اور اپنے سینوں پر دوپٹے اوڑھے لیا کریں۔ اور اپنے خاوند، باپ، خسر، خاوند کے بیٹوں، بھائیوں، بھتیجوں، بھانجوں اور اپنی ہی قسم کی عورتوں اور لونڈی غلاموں نیز ان خدام کے جو عورتوں کی خواہش نہ رکھتے ہوں یا ایسے لڑکوں سے جو عورتوں کی پردے کی چیزوں سے واقف نہ ہوں، اور کسی پر اپنی زینت کو ظاہر نہ ہونے دیں اور اپنے پاؤں (اس طرح زمین پر) نہ ماریں کہ (جھنکار کی آواز کانوں میں پہنچے) اور مومنو! سب اللہ کے آگے توبہ کرو تاکہ تم فلاح پاؤ۔" (۲۴: ۳۱)

عورت سے اسلام کے اس مطالبے کے دو حصے ہیں۔ ایک حصہ ہے عورت کے لیے پردہ کے احکام، یہ کرنے کا کام ہے۔ دوسرا ہے عورتوں کا مردوں کے ساتھ آزادانہ اختلاط، یہ نہ کرنے کا کام ہے — یہ دونوں کام فطرت کے مطابق ہی نہیں بلکہ فطرت کے تقاضے ہیں۔

آپ طبعیات کی دنیا میں ذرا غور کریں۔ یہ جو آپ کے گھروں میں بجلی کے قمقمے روشن ہیں۔ یہ روشنی کہاں سے آئی۔ آپ کہیں گے کہ سامنے بجلی کے دو تار ہیں۔ ان میں سے ایک میں برقی رو ہے دوسرا خالی ہے۔ یہ جب بلب میں آکر ملتے ہیں تو روشنی آجاتی ہے۔ درست، مگر اس پر بھی غور کیجیے۔ ان تاروں کو ربڑ سے کیوں ڈھانک رکھا ہے یہ ننگے کیوں نہیں اور اگر راستے میں یہ تار ننگے ہو جائیں اور ایک دوسرے کو مس کر دیں تو کیا ہوگا؟ یہی نا کہ فیوز اڑ جائے گا شعلہ اٹھے گا اور اندھیرا ہو جائے گا۔ ہاں ہاں تو اسلام بھی یہی چاہتا ہے کہ مرد و عورت کے دو تار اگر راستے میں مس کر گئے تو معاشرے کا فیوز اڑ جائے گا۔ سپارک پیدا ہوگا اور اندھیرا ہو جائے گا اور اگر یہی تار گھر کے بلب میں خاوند بیوی کی حیثیت سے ملیں گے تو نہ صرف گھر میں روشنی ہوگی بلکہ پورا معاشرہ منور ہو جائے گا۔

مختصر یہ کہ اسلام عورت سے یہ چاہتا ہے:

کہ عورت نہ صرف عورت رہے بلکہ مسلمان عورت رہے۔ اپنی لطافت اپنے تقدس کو برقرار رکھے اپنی لیبارٹری میں پورے احساسِ ذمہ داری کے ساتھ تجربات کرے اور معاشرے کو بہترین مسلمان سپاہی، دانشور، حکمران کارندے سپلائی کرے۔

مگر یہ تو معاملے کا ایک پہلو ہوا۔ دوسرا پہلو بھی تو زیرِ بحث لائیے کہ عورت اسلام سے کیا چاہتی ہے؟ ہاں یہ پہلو واقعی قابلِ غور ہے۔

یہاں ایک وضاحت ضروری معلوم ہوتی ہے کہ یہ دیکھنا ہے کہ عورت اسلام سے کیا چاہتی ہے یا مسلمان عورت اسلام سے کیا چاہتی ہے؟ یہ فیصلہ کرنا ضروری ہے مگر محض عورت کو بھلا اسلام سے کچھ چاہنے کی ضرورت ہی کیا ہے! جب اس کا اسلام سے کوئی رشتہ نہیں۔ لہٰذا اصل سوال یہی ہوا کہ مسلمان عورت اسلام سے کیا چاہتی ہے؟ لیکن اسلام نے عورت کو جو کچھ دیا ہے اور دے رکھا ہے وہ ایسا اور اتنا ہے کہ مسلمان عورت کے لیے اسلام سے مطالبہ کرنے کی کوئی چیز باقی ہی نہیں رہ گئی۔ پوری اسلامی تاریخ اس بات کی شاہد و عادل ہے کہ مسلمان عورت اسلام کی داد و دہش سے اتنی سیر اور مطمئن ہوئی کہ نہ اس کی نگاہ کسی طرف اُٹھتی ہے نہ اس کے دستِ طلب اُٹھتے ہیں نہ اس کے ذہن میں کسی مطالبے کی تحریک ہوتی ہے نہ اس کی سوچ میں تشنگی کی کوئی لہر اُٹھتی ہے۔ یہ بات بھی درست ہے تو پھر اس دوسرے پہلو کا کیا بنے گا۔ ہاں تو پھر یہ سوال یوں ہو سکتا ہے کہ آج کی مغرب گزیدہ "مسلمان" عورت اسلام سے کیا چاہتی ہے؟ تو اس سلسلے میں اب تک جو مطالبے سامنے آئے ہیں وہ کچھ اس طرح ہیں:

(۱) وہ اسلام سے یہ مطالبہ کرتی ہے کہ مجھے جہنم جانے سے اسلام نہ روکے۔ اسلام نے جو اس راستہ کو بلاک کر رکھا ہے فوراً ان رکاوٹوں کو دُور کرے کیونکہ میرے مشیر یہ

دلبری سکھاتے ہیں مجھ کو یہ کہہ کر
جہنم سے ڈرنا بڑی بزدلی ہے

میں بیشک عورت ہوں مگر بزدل بالکل نہیں ہوں لہٰذا مجھے کوئی روک ٹوک نہ کی جائے۔

(۲) جہنم میں جانے کے لیے میرے پروگراموں میں اسلام دخل نہ دے مثلاً میں کہتی ہوں: "قرآن میں کہاں لکھا ہے کہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھو"

واقعی قرآن میں یہ کہیں نہیں لکھا کہ عورتوں کو گھروں میں بند رکھو مگر یہ ضرور لکھا ہے کہ "اے مسلمان عورتو اپنے گھر میں قرار پکڑو۔" مگر محترمہ! قرآن میں یہ کہاں لکھا ہے کہ نیم برہنہ ناچو، ہاکی کھیلو مقابلہ حسن میں شامل ہو، دعوتِ گناہ دو، دعوتِ نظارہ دو۔ بازارِ حسن کی زینت بنو۔ بن ٹھن کے ٹی وی پر آؤ۔ یوں لگتا ہے آپ جیسے جو کچھ کر رہی ہیں، قرآن کے عین مطابق کر رہی ہیں۔ صرف گھروں

میں رہنے کا حکم آپ کو قرآن میں کہیں نہیں ملا۔ اس لیے آپ گھر میں بیٹھنا خلافِ قرآن سمجھتی ہیں ـــــ آپ کا جذبہ بڑا قابلِ تعریف مگر ایک بات کہنے کو ضرور جی چاہتا ہے اور وہ بھی مشورہ کے طور پر نہیں، کیونکہ ماڈرن عورت کو مشورہ دینا لقمان کو حکمت سکھانا ٹھہرا۔ بلکہ دعوتِ فکر ہے آپ اس پر غور کریں۔ وہ بات یہ ہے کہ عام قاعدہ بلکہ مسلّمہ اصول زندگی یہ ہے کہ چونکہ ہر آدمی ہر فن میں ماہر نہیں ہوتا اس لیے ہر فن کی بات اس فن کے ماہر سے پوچھنی چاہیے۔ اور جو وہ بتائے اس پر اعتماد کرنا چاہیے۔ کامیاب زندگی کے لیے یہ ایک زریں اصول ہے۔

اس اصول کو پیشِ نظر رکھیں اور تاریخ کا مطالعہ کریں۔ یہ جو گھر سے نکلنے کے لیے آپ بیتاب ہیں اور گھر میں آپ کو قرار نہیں آتا۔ یہ جنون مغربی عورت کو صدیوں پہلے ہوا۔ اور وہ گھر سے ایسی نکلی کہ کسی من چلے نے خوب کہا ہے

ہوئے اس قدر مہذب کبھی گھر کا منہ نہ دیکھا
کٹی عمر ہوٹلوں میں مرے ہسپتال جا کر

مغربی معاشرہ اس فن میں ایسی مہارت رکھتا ہے کہ اس کا قول حرفِ آخر سمجھنا چاہیے۔ مگر اس طویل اور تلخ تجربہ نے مغربی معاشرہ پر جو چرکے لگائے ہیں اس کا اندازہ کرنے کے لیے ذرا مغرب کے کراہنے کی آواز پر کان لگائیں۔ یہ داستان بڑی طویل ہے۔

(۱) "موجودہ سماج نے سب سے زیادہ نحش غلطی یہ کی ہے کہ اس نے تربیت کے لیے ماں کے مقابلے میں مدرسوں پر اعتماد کیا ہے۔ آج کی ماں اپنے بچوں کو نرسری سکول میں صرف اس لیے چھوڑ آتی ہے کہ وہ اپنی معاش کے لیے آزاد، شہوت رانی کے لیے، فضول قسم کی آرٹ پرستی کے لیے، برج کھیلنے کے لیے یا سینما جانے کے لیے زیادہ سے زیادہ وقت بچا سکے۔ اور اس طرح ایک قسم کی "فضول بیکاری" میں منہمک رہے۔ اس طرزِ زندگی نے خاندانی نظام کو جس کے زیرِ اثر رہ کر بچہ کچھ سیکھ سکتا تھا بالکل درہم برہم کر دیا ہے۔"

کہنے والے کو ذرا پہچاننے کی کوشش کیجیے۔

(۲) "انسان محض حیاتیاتی وجود نہیں رکھتا، جس کا اپنا کوئی وجود نہ ہو بلکہ وہ بہت سے رجحانات اور احساسات رکھتا ہے جو صحیح نشو و نما کے محتاج ہوتے ہیں۔ اس فرض کو ماضی میں ماں اور خاندان سرانجام دیتے تھے۔ لیکن آج کل خاندان اس فرض کی بجا آوری میں مجرمانہ غفلت برت رہا ہے۔

اس کا اثر یہ ہے کہ اب مجرموں اور

فساق و فجار کی تعداد میں اضافہ ہو رہا ہے۔

ایسے خاندان میں پیدا ہونے والے بچے بالعموم کم ظرف، تھڑدلے اور منافق ہوتے ہیں۔"

CRISES OF OUR AGE

(۳) "ہم کھانا ہوٹلوں میں کھاتے ہیں ہماری روٹی بیکری سے آتی ہے، کپڑے لانڈری میں دھلتے ہیں۔ پہلے وقتوں میں لوگ راحت و آرام کی خاطر گھر کی طرف رجوع کرتے تھے۔ لیکن اب آرام کی تلاش میں سیناؤں، تھیٹروں، اور کلبوں کا رخ کیا جاتا ہے۔ اب ہمارے گھر استراحت کی جگہ نہیں رہے جہاں ہم رات گزار سکیں۔ اب تو ایک پوری رات بھی لوگ اپنے گھروں میں بسر کرنا پسند نہیں کرتے۔"

واقعی گھر میں سکون و راحت کے لیے اسلام نے جو نعمت دی تھی اس کا احساس دلاتے ہوئے قرآنِ حکیم کہتا ہے:

"اور اس کی عنایات میں سے ایک یہ ہے کہ اس نے تمہارے لیے تمہاری ہی جنس کی عورتیں پیدا کیں تاکہ تم ان کے پاس آرام و سکون حاصل کرو۔ اور اس لیے تم میں محبت اور انس پیدا کر دیا۔" (۳۰ : ۲۱)

ظاہر ہے کہ گھر میں جو وجہ سکون تھی اب وہ گھر میں ٹکتی ہی نہیں بلکہ گھر کو قید خانہ تصور کرتی ہے تو گھروں میں سکون و راحت کہاں سے آئے۔

(۴) جو عورت اپنے گھر کے باہر کی دنیا کے مشاغل میں شریک ہوتی ہے اس میں شک نہیں کہ وہ ایک عامل بسیطہ کا فرض انجام دیتی ہے مگر افسوس ہے کہ وہ عورت نہیں رہتی۔" (ڈاکٹر ژول سیمان)

(۵) فرانس کے ریویو آف ریویوز جلد ۲۵ میں کثرتِ طلاق کی رپورٹ پر یہ ریمارکس ہیں:۔

"بہرحال اب سوسائٹی اور معاشرہ کی چادر میں آگ لگ گئی ہے مگر نہ صرف اس کے دونوں کناروں پر آگ لگی ہے بلکہ یار لوگ اسے وسط سے جلانے کی کوشش بھی کر رہے ہیں اور اس میں ذرا بھی شک نہیں کہ گھریلو زندگی کو برباد کرنے میں نئے زمانہ کی عورت ہی کا ہاتھ کام آ رہا ہے۔"

(۶) میں نے تاریخ کو پڑھا ہے اور پرکھا ہے اور اس نتیجے پر پہنچا ہوں کہ اقوام عالم اس وقت تباہ و برباد ہوئی ہیں جب ان کی عورتیں بے حجابانہ باہر نکلی ہیں۔" (ڈماٹن لی)

ان حقائق پر غور کریں اور صرف اتنا سوچیں

کہ آپ جن کی نقالی کرنے میں اپنا سب کچھ قربان کرنے کو تلی ہوئی ہیں وہ اس کا تجربہ کرنے کے بعد دہائی دے رہے ہیں کہ کوئی ہمیں اس بھنور سے نکالے ۔ ع

بہ بیں کہ از کہ بریدی و با کہ پیوستی

(۳) آج کی عورت اسلام سے یہ چاہتی ہے کہ تعمیرِ سیرت کا جو نصاب اس نے پیش کیا ہے کہ عورت اللہ کے حکم کے آگے سرِ تسلیم خم کرنے والی ہو۔ راستباز ہو۔ صابر و شاکر ہو۔ خشوع و خضوع والی ہو۔ فرائض کی پابند ہو۔ اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کرنے والی ہو۔ کثرت سے اللہ کو یاد کرنے والی ہو۔ وغیرہ۔

یہ نصاب دقیانوسی اور فرسودہ ہے۔ عورت چاہتی ہے کہ اسلام ہمیں یہ سکھائے کہ عورت خودرائے ہو کسی کی نہ سُنے۔ جو جی میں آئے کرے۔ میک اپ کرے۔ بلیس پاؤڈر، رُوج، لپ سٹک، نیل پالش وغیرہ کی مشتاق۔ آرائش کے فن میں طاق ہو۔ بن ٹھن کے باہر نکلے۔ پارکوں میں، کلبوں میں، میوزیکل کنسرٹ میں جائے۔ ٹی وی میں آئے، ناچے کودے، تھرکے، مردوں کا دل لبھائے۔ واہ واہ حاصل کرے۔ بدن کے زیادہ سے زیادہ حصے ننگے کرکے دعوتِ نظارہ دے۔ غرض جو اس کا جی چاہے کرے۔ اسلام کا فرض ہے کہ وہ عورت کی ہر بات کی تائید کرے، ہر حرکت کی تحسین کرے کیا ایسا اسلام درکار ہے؟

(۴) عورت چاہتی ہے کہ نگاہیں نیچی رکھنے کی بجائے دیدے پھاڑ کے دیکھنے کی تلقین کرے۔ ہاں مردوں کو بے شک کہے کہ نگاہیں نیچی رکھیں اور مردوں کے اس شکوے کا بالکل نوٹس نہ لے کہ ع

مجھی سے سب یہ کہتے ہیں کہ رکھ نیچی نظر اپنی
کوئی ان کو نہیں کہتا نہ نکلو یوں عیاں ہو کر

اور رہی بات شرمگاہوں کی حفاظت کی تو یہ رجعت پسندانہ باتیں ہیں۔

ذرا ترقی یافتہ قوموں کے حالات تو دیکھو وہ ترقی کے کس زینے پر پہنچ چکی ہیں۔

دیکھو نوائے وقت ۲۴ر دسمبر ۱۹۸۲ء

"برطانیہ میں ایک سال میں (۷۷۴۰۰)
بچے کنواری ماؤں سے پیدا ہوئے۔
اب انہیں ناجائز بچے کہنے کی جگہ
بغیر شادی پیدا ہونے والے بچے کہا
جائے گا۔"

عورت چاہتی ہے کہ اسلام اس کی ترقی کی راہ میں رکاوٹ نہ بنے۔

(۵) عورت چاہتی ہے کہ اسلام اسے نامحرم مردوں کے ساتھ نرم لہجہ میں بات کرنے سے جو منع کرتا ہے یہ تہذیب کے خلاف ہے۔ ہمارا مطلب یہ ہے کہ اسلام عورت کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اسے نہ صرف دل لبھانے والی باتیں کرنے کی تلقین کرے بلکہ اسے مالکونس، کدارا، دیپک راگ، سکھائے تاکہ عورت اپنی آواز کے جادو سے مردوں

پر سکتہ بٹھا دے اور عورت جب گائے تو بڑے فخر سے کہے کہ میں باوضو گاتی ہوں۔ اِس سلسلے میں عورت چاہتی ہے کہ اسلام مغربی ریسیرچ کی طرف توجہ نہ دے کیونکہ مغرب میں بھی بہت سے کورذوق موجود ہیں۔ مثلاً وا ئنا کا ماہر امراضِ نسوانی ڈاکٹر (BERNE HARD. A BANER) اپنی مایہ ناز تصنیف (WOMAN & LOVE) میں جو یہ کہتا ہے کہ :-

(۱) "گانا، عورت کے اندر عشق کے جذبات کو بھڑکاتا ہے۔ بہت سے اچھے گھرانے کی عورتیں جو کبھی بڑے عزّت و احترام سے اپنے خاندان میں مسرّت کی زندگی بسر کر رہی تھیں انہوں نے گوّیوں کے عشق میں اپنے خاوندوں اور اولاد کو خیر باد کہا۔"

یہ تو صرف گانا سُننے کا اثر ہے۔ آگے چلیے :

(۲) "تھرکتا ہُوا حسین و جمیل جسم جبکہ اس کے مختلف اعضا بھی نمایاں ہوں، تماشائیوں کے سفلی جذبات کو لازمی طور پر بھڑکاتا ہے۔"

(۳) "ساز، گانے کے بغیر بھی مرد اور عورت کے قلبی سکون کو جس طرح غارت کرتا ہے اس کا عام لوگوں کو بہت کم احساس ہوتا ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تردید حقیقت ہے کہ ساز اور گانے سے انسان کے حسّی جذبات میں طوفان اُٹھنے لگتے ہیں۔ ساز اور گانے کا اثر عورت پر زیادہ شدید تیز اور دیرپا ہوتا ہے۔"

آج کی عورت ایسی باتوں کے خلاف سراپا احتجاج ہے اور وہ خوش ہے کہ اس ہستی سے نسبتی تعلق کا دعوٰی کرنے کے باوجود جس نے کہا تھا کہ میں ساز توڑنے کے لیے آیا ہوں اور جس نے کہا تھا گانا، یوں نفاق پیدا کرتا ہے جیسے بارش سبزہ کو۔ آج کی عورت ڈوم اور بھانڈوں کی صف میں کھڑا ہونے میں فخر محسوس کرتی ہے۔

(۶) عورت اسلام سے یہ چاہتی ہے کہ اس کے لیے مستورات کا لفظ ہرگز استعمال نہ کیا جائے۔ یہ لفظ دقیانوسیت کے جراثیم کا حامل ہے۔ ہمیں مستورات نہیں بلکہ مکشوفات کہا جائے۔ بلکہ عورت کا مطالبہ ہے کہ اسلام اس سے نہ روکے کہ عورت کی ننگی تصویر ہر اشتہار کا لازمی جزو ہو۔ ماچس سے لے کر موٹر تک ہر چیز کے اشتہار میں عورت کی تصویر ہونی چاہیئے اور اس میں عریانی کا عنصر حسبِ قدر زیادہ ہو اتنا ہی عورت کی عزّت میں اضافہ ہوگا۔

(۷) عورت یہ چاہتی ہے کہ پورے اسلام کو ماڈرنائز کرے۔ اس حرکت سے اسلام کا جتنا حلیہ بگڑے بگڑتا ہے بلکہ اسلام عین کفر بھی بن جائے تو اسلام بالکل دم نہ مارے (باقی ص ۴۸ پر)

وحدتِ مِلّت

(ابو سعید)

ہر معاشرے میں باہمی اتحاد اجتماعی زندگی کے لیے ایک بنیادی ضرورت ہے۔ اس کے بغیر اجتماعی امن اور خوشحالی کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے اتحادِ ملّی نہ صرف ضرورت ہے بلکہ ایک عبادت بھی ہے اور اللہ کریم کی بہت بڑی نعمت بھی جس کا شکر ادا کرنا بھی عبادت قرار پاتا ہے۔

اللہ تعالٰی نے اپنی اس نعمت کا بڑے اہتمام سے ذکر فرماتے ہوئے ارشاد فرمایا:

"اور اللہ کی اِس مہربانی اور نعمت
کو یاد کرو کہ جب تم ایک دوسرے کے
دشمن تھے تو اس نے تمہارے دلوں
میں اُلفت ڈال دی اور تم اس کی اس
نعمت کی وجہ سے بھائی بھائی بن
گئے اور تم آگ کے کنارے پہنچ چکے
تھے کہ اللہ نے تم کو بچا لیا۔"

(۳ : ۱۰۳)

اس نعمت کی حیثیت کا اندازہ اس امر سے کیجیے کہ اللہ تعالٰی اس ذات کو جو رحمۃ اللعالمین ہے مخاطب کرتے ہوئے فرماتا ہے:

"اگر آپ دنیا بھر کی دولت خرچ
کرتے تب بھی ان کے دلوں میں الفت
پیدا نہ کر سکتے۔ لیکن اللہ ہی نے ان میں
الفت ڈال دی۔"

(۸ : ۶۳)

اس آیت سے چند حقائق کا سراغ ملتا ہے۔ اوّل یہ کہ باہمی اتحاد کے لیے دلوں میں اُلفت کا جذبہ ہونا ضروری ہے۔ دوسرا یہ کہ باہمی اتحاد محض اللہ تعالٰی کی نعمت ہے۔ تیسرا یہ کہ مصنوعی طریقوں سے یا کسی قیمت کے بدلے یہ جنس کسی دکان سے نہیں ملتی۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ جب یہ نعمت ہے، تو اس کا ملنا محض نعمت دینے والے کی مرضی پر منحصر ہے۔ انسان کی کوشش اس سلسلے میں کس کام آسکتی ہے۔ سوال درست ہے مگر اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ نعمت مسلمانوں کو مل چکی ہے۔ ان کا کام یہ ہے کہ اس نعمت کو ضائع ہونے سے بچائیں۔ اس سلسلے میں ایک اصول بتایا گیا ہے کہ:

لَئِنْ شَكَرْتُمْ لَأَزِيدَنَّكُمْ

یعنی "اگر نعمت کا شکر ادا کرو گے تو اور دوں گا۔"

اور وَلَئِنْ كَفَرْتُمْ اِنَّ عَذَابِیْ لَشَدِیْدٌ

"اور اگر ناشکری کرو گے تو یاد رکھو میری گرفت اور میری سزا بڑی شدید ہے۔"

وحدتِ ملی کے لیے اسلام نے چند بنیادی اصول بیان کیے ہیں۔ جن کے بغیر اتحاد و اخوت ممکن نہیں۔ ہاں اتحاد کا سوانگ بھرا جا سکتا ہے یا اتحاد کی ایکٹنگ کی جا سکتی ہے جس سے ایک وقتی تفریح کا تاثر قائم کیا جا سکتا ہے دلی اخوت پیدا نہیں ہو سکتی جس کا مطلب یہ ہے کہ:

(۱) ایمان — ارشاد ہے:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ۔

"سوائے اس کے نہیں کہ اہلِ ایمان آپس میں بھائی بھائی ہیں۔"

یعنی اخوت اور بھائی چارے کی بنیاد ایمان ہے اور یہ بنیاد اتنی ضروری اتنی اہم اور اتنی پختہ ہے، کہ اللہ کریم نے انسان کی اس غلط فہمی کو کہ "اخوت کی بنیاد خون اور نسب کا اتحاد ہے" دُور کرتے ہوئے اوّل تو براہِ راست حکم دیا کہ:

"اے اہلِ ایمان اگر تمہارے ماں باپ اور بہن بھائی ایمان کے مقابل کفر کو پسند کریں تو ان سے دوستی مت رکھو اور جو ان سے دوستی رکھیں گے وہ ظالم ہیں۔" (۹ : ۲۳)

پھر اس سے اگلی آیت میں فرمایا کہ:

"اگر اللہ اور رسول ﷺ کے مقابلے میں تمہیں وہ عزیز ہوں تو اللہ کے عذاب کا انتظار کرو۔"

یہ بنیاد اتنی اہم ہے کہ اس کے ہوتے ہوئے اتحاد کی راہ کی تمام رکاوٹیں دُور ہو جاتی ہیں۔ چنانچہ مشرکین اور کفّار کے متعلق ارشاد فرمایا:

(۲) عمل:

"اگر یہ توبہ کر لیں اور نماز پڑھنے اور زکوٰۃ دینے لگیں تو وہ تمہارے دینی بھائی ہیں۔" (۹ : ۱۱)

یعنی دینی اخوت اور بھائی چارے کی بنیاد ایمان ہے اور ایمان قلب کا فعل ہے مگر اس کا اظہار اعضاء و جوارح سے جن صورتوں میں ہو سکتا ہے ان میں سے دو اہم صورتوں کا ذکر فرمایا ہے۔ ایک نماز کی پابندی یعنی اس نماز کی پابندی جو محمد رسول اللہ نے سکھائی اور زکوٰۃ کی پابندی۔ گویا ایمان کا ثبوت یہ ہے کہ انسان کی جان اور مال اللہ تعالیٰ کے قانون کے تحت آ جائیں۔ جہاں یہ نہیں وہاں ایمان کا دعویٰ جھوٹ محض ہے اور ایسے لوگوں سے دینی بھائی چارے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔

ان کے مقابلے میں کفر کے بھی کئی درجے ہیں۔ ایک یہ کہ اسلام کے مقابلے میں کسی دوسرے عقیدہ کو اس لیے اختیار کر لینا کہ اپنی آزادانہ تحقیق

سے اسے حق سمجھ لیا گیا ہو۔ مگر اسلام کے متعلق کوئی معاندانہ رویہ علمی یا عملی طور پر اختیار نہ کرنا۔ ایسے کفار کے ساتھ دینی بھائی چارے کا تو سوال ہی پیدا نہیں ہوتا۔ ہاں ان سے تعرض نہ کرنے اور اپنے اپنے دائرے میں رہ کر پُرامن زندگی بسر کرنے کی تلقین کی گئی ہے۔

دوسرے وہ کفار جو دین میں کیڑے ڈالیں اور دینداروں پر آوازیں کسیں اور دین کے بارے طعنے دیں۔ تو ان کے متعلق ارشاد ہے:

"اگر عہد کرنے کے بعد اپنی قسموں کو توڑ ڈالیں اور تمہارے دین میں طعنے کرنے لگیں تو ان کفر کے اماموں سے جنگ کرو۔ یہ بے ایمان لوگ ہیں ان کی قسموں کا کوئی اعتبار نہیں۔" (۹ : ۱۲)

معلوم ہوا کہ محمد رسول اللہ کے لائے ہوئے دین پر طعنہ زنی کرنا وہ کفر ہے کہ اس سے اتحاد کا تصور کرنا بھی ایمان کے منافی ہے۔ چنانچہ اس سلسلے میں ایک مقام پر ارشاد ہوتا ہے:

"جو لوگ اللہ پر اور روزِ قیامت پر ایمان رکھتے ہیں تم انہیں خدا اور رسول کے دشمنوں سے دوستی کرتے ہوئے ہرگز نہ پاؤ گے خواہ وہ ان کے باپ یا بھائی یا خاندان کے لوگ ہی کیوں نہ ہوں۔" (۵۸ : ۲۲)

یعنی دشمنانِ خدا اور رسول اور دشمنانِ اسلام کے ساتھ اخوت اور بھائی چارہ اسلام کے منافی ہے۔

ایک اور مقام پر اسی حقیقت کو یوں بیان فرمایا:

"اہلِ ایمان کو چاہیے کہ مومنوں کے سوا کافروں کو دوست نہ بنائیں اور جو ایسا کرے گا اس سے اللہ کا کچھ تعلق نہیں"

(۳ : ۲۸)

سورۂ مائدہ میں اہلِ کتاب کے ساتھ معاملہ کرتے ہوئے اسی احتیاط کی تعلیم دی گئی ہے۔ ارشاد ہے:

"اے اہلِ ایمان! یہود و نصاریٰ کو اپنا دوست مت بناؤ۔" (۵ : ۵۱)

پھر کفار اور اہلِ کتاب دونوں کی ایک قدر مشترک کا ذکر کرتے ہوئے یہی حکم دیا:

"اے اہلِ ایمان! اہلِ کتاب اور کفار جو تمہارے دین کو ہنسی کھیل بنا بیٹھے ہیں ان کے ساتھ دوستی مت رکھو۔ اگر تم واقعی مومن ہو تو اس معاملے میں اللہ سے ڈرو۔" (۵ : ۵۷)

ایک اور مقام پر ارشاد فرمایا:

"اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست مت بناؤ۔"

(۶۰ : ۱)

دوستی اور اخوت کے سلسلے میں ایمان وہ قدر مشترک ہے کہ اس کے موجود نہ ہونے سے اپنے بھی پرائے سمجھے جانے چاہئیں۔ اور اس کے پائے جانے سے کتنے ہی غیر کیوں نہ ہوں اسلام کی نگاہ

ہیں اپنے ہیں۔

اِس وقت اِس ملک میں جو اسلام کے نام سے معرضِ وجود میں آیا مسلمانوں کے صرف دو مکتبِ فکر پائے جاتے ہیں۔ مقلد اور غیر مقلد۔ ان میں نظری اور عملی اعتبار سے کامل یکسانیت بھی ہے اور رنگا رنگی بھی۔ عقیدہ اور نظریہ کے اعتبار سے کامل یکسانیت ہے۔ مثلاً اسلام کے تین بنیادی عقائد یعنی توحید، رسالت اور معاد میں کسی قسم کا اختلاف نہیں۔ پھر ان کے ساتھ ان کے ذیلی یا تکمیلی عقائد، ایمان بالکتب، ایمان بالملائکہ، ایمان بالقدر، عقیدہ ختمِ نبوت میں یہ دونوں بالکل ایک ہیں۔ اور یہی اجزائے ایمان ہیں۔ اور ایمان ہی اخوت کی بنیاد بھی ہے۔ اور اسی پر اخوت کا مدار بھی ہے۔

اِس لیے اس اتحادِ فکری کا تقاضا یہ ہے کہ ان میں کامل اخوت ہو اور اگر غور کیا جائے تو اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ اِخْوَةٌ بظاہر جملہ خبریہ معلوم ہوتا ہے حقیقت میں جملہ انشائیہ ہے یعنی اہلِ ایمان کو اخوت کا حکم دیا گیا ہے۔ اِس حقیقت کی تائید اور توثیق ان آیات سے ہوتی ہے جن میں کفار کے ساتھ دوستی، بھائی چارہ اور گہرے تعلقات رکھنے سے یہاں تک منع فرمایا گیا ہے کہ اوّل تو ایسا کرنے والے کا اللہ سے کوئی تعلق نہیں۔ دوم یہ کہ ایسا کرنا خود ایمان کے منافی ہے۔ اِس ممانعت سے ظاہر ہے کہ اہلِ ایمان کا باہمی اخوت پیدا کرنا فرض ہے، اور اس کا حکم دیا گیا ہے۔

اِس حقیقت کی روشنی میں مسلمان عوام اور مسلمان پیشواؤں کا یہ فرض ہے کہ مسلمانوں میں اخوت کی فضا پیدا کرنے میں اسی درجے کا اہتمام کریں جو دیگر فرائض کی ادائیگی میں ضروری ہے اور وہ لوگ ضروری سمجھتے بھی ہیں اور بساط بھر کوشاں بھی رہتے ہیں لیکن یہ ایک عظیم المیہ ہے کہ پیشوایانِ دین اخوت کی جگہ افتراق اور تشتت کی راہ ہموار کرنے میں دن رات کوشاں ہیں۔ مقلد اور غیر مقلد کا آپس میں نہ مل بیٹھنا تو بعد کی بات ہے۔ یہاں مقلد بھی تقسیم در تقسیم کا شکار جارہے ہیں۔ گو اس میں ذمہ داری تو سب کی ہے مگر عوام تو ممکن ہے یہ عذر پیش کر دیں کہ:

اِنَّآ اَطَعْنَا سَادَتَنَا وَكُبَرَآءَنَا
فَاَضَلُّوْنَا السَّبِيْلَا۔

یعنی "اے ہمارے پروردگار ہم نے اپنے
بڑوں، لیڈروں اور پیشواؤں کی اطاعت و
پیروی کی۔ ان کم بختوں نے ہمیں
سیدھی راہ سے بھٹکا دیا۔"

مگر خواص یعنی پیشوایانِ دین کے پاس اس کا کوئی جواب نہ بن سکے گا نہ کوئی بہانہ چل سکے گا۔ اس لیے اس روز کی ہولناکیوں کے پیشِ نظر علمائے کرام اور قائدینِ ملت کو اپنی روش پر نظرِ ثانی کرنی چاہیئے۔ ایسا نہ ہو کہ اپنے گمراہ ہوتے اور عوام کو گمراہ کرنے کا دہرا وبال ان کے گلے پڑے۔

گو اخوت کی بنیاد ایمان ہی ہے مگر ایمان قلب کا فعل ہے اس کا اظہار عمل سے ہوتا ہے اس

لیے اسلام نے اجزائے ایمان کے ساتھ ارکان اسلام بھی سکھائے ہیں جس کا ذکر ایک ہی حدیث میں یوں کیا گیا ہے کہ اسلام کی بنیاد پانچ چیزوں پر ہے یعنی شہادتین کا اقرار، نماز کی پابندی، زکوٰۃ کی ادائیگی، صوم رمضان اور صاحب استطاعت کے لیے عمر بھر میں ایک مرتبہ حج بیت اللہ کی زیارت دونوں کے ہاں ایک ہی قسم کی شرائط سے فرض ہے۔

یعنی ارکانِ اسلام میں بھی ان میں کوئی اختلاف نہیں۔ ہاں یہ عمل کی جو بعض صورتوں میں کچھ اختلاف نظر آتا ہے مثلاً رفع یدین اور آمین بالجہر وغیرہ۔ یہ محض اختلافِ مذاق ہے جو طبعی ہے جس کی حقیقت یہ ہے کہ دونوں کے ہاں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی حیثیت محبوب رہنما کی ہے اور قاعدہ بلکہ مشاہدہ ہے کہ ایک ہی محبوب کے کئی چاہنے والے ہوں تو کسی کو محبوب کی کوئی ادا پسند ہوتی ہے کسی کو کوئی دوسری۔ تو یہ سب محبوب کی مختلف ادائیں ہیں۔ کسی کے دل میں یہ کھب گئی کسی کے دل میں وہ سما گئی۔ اِس لیے اِس ظاہری اختلاف کے باوجود نفسِ عبادت میں ان میں کوئی باہمی اختلاف نہیں۔ پھر کوئی وجہ نہیں ان میں باہمی اخوت نہ پائی جائے لیکن صورتِ حال یہ ہے کہ اخوت کا فقدان ہے۔ اگر حسنِ ظن سے کام لیا جائے تو اس کی وجہ غلط فہمی کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی۔ اگر اسے تسلیم نہ کیا جائے تو اس کے سوا اور کوئی نتیجہ نہیں نکل سکتا کہ ایمان کا ہی کسی درجے میں فقدان ہے ورنہ یہ ممکن ہی نہیں کہ ایمان کی قدر مشترک بھی موجود ہو اور باہمی اخوت بھی نہ ہو۔ کوئی محقق اگر اس کی کوئی توجیہہ کر سکے تو ہمارے علم میں بہت اضافہ ہو گا جس کا شکر ادا کرنے میں ہم ہرگز بخل نہیں کریں گے۔

اِس نعمت کا سبب یا نتیجہ جو بھی سمجھا جائے، وہ ہے باہمی الفت۔ جس کے لیے اللہ کریم نے رحمتہ للعالمین سے فرمایا کہ اگر آپ دنیا بھر کی دولت خرچ کر کے یہ باہمی الفت خریدنا چاہتے تو ایسا نہ کر سکتے۔ یہ اللہ کی دین ہے کہ اس نے ان کے دلوں میں یہ دولت بھر دی ___ تو معلوم ہوا کہ باہمی اخوت کے لیے باہمی اُلفت بھی لازمی ہے اور تاریخ شاہد ہے کہ مکّہ بالخصوص اور عرب بالعموم کے قبائل میں ایمان قبول کرنے کے بعد ہی اُلفت پیدا ہوئی جس کا مطلب یہ ہے کہ جہاں ایمان ہو گا وہاں اُلفت لازماً ہو گی۔

یہاں پھر یہی سوال اُبھرتا ہے کہ یہاں ایمان تو ہے کیونکہ ایمان کا دعویٰ جو ہے لیکن اُلفت نہیں یا اتنی نہیں جتنی ہونی چاہیے۔ اس کی وجہ بھی وہی غلط فہمی ہے یعنی دوسروں کے ایمان کے متعلق غلط فہمی کہ دوسرے میں ایمان نہیں اس لیے اس سے نفرت ہے۔

اس کا ثبوت یہ ہے کہ جس کے متعلق یہ خیال ہوتا ہے، اپنے علم یا اندازے کے مطابق۔ کہ اس میں ایمان ہے وہاں یقیناً اُلفت ہونے لگتی ہے۔ اس کی مثال اس نقشہ سے سمجھیے:

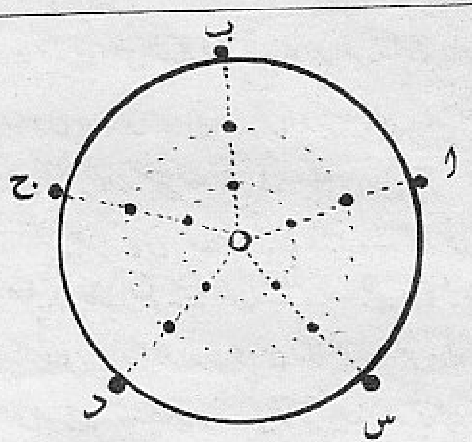

یہ پانچ آدمی ایک دوسرے سے فاصلے پر کھڑے ہیں۔ ایمان یعنی اللہ کی رضا کا حصول ان کا مرکز ہے۔ جب ایک قدم مرکز کی طرف بڑھے، تو جہاں مرکز کے قریب ہو گئے وہاں ایک دوسرے کے قریب بھی ہو گئے۔ حتیٰ کہ جب مرکز تک پہنچے تو قریب ہی نہ ہوئے ایک ہو گئے۔ اگر بڑھنے کے باوجود دُوری بڑھتی ہے تو معلوم ہُوا کہ مرکز کی طرف بڑھے ہی نہیں ہیں۔ تو معلوم ہُوا کہ وحدتِ ملّی پیدا کرنے کے لیے ایمان اور ایمان کے تقاضوں کی طرف بڑھنا ضروری ہے۔ اگر ایسا نہ ہُوا تو وحدت کا پیدا ہونا محال ہی نہیں ناممکن ہے۔ اس لیے مسلمانوں کا فرض ہے کہ وہ عوام ہو یا خواص اپنے دلوں میں صحیح ایمان و یقین کو جگہ دیں تا کہ باہمی نفرت دلوں سے نکلے اور اس کی جگہ اُلفت کے جذبات پیدا ہوں۔

اسلام نے جس تاکید کے ساتھ اہلِ ایمان کو باہمی اُلفت اور اخوت کی تاکید کی ہے اسی طرح ان کو ایک خطرے سے آگاہ کرتے ہوئے ایک بہت بڑی احتیاط کا بھی حکم دیا ہے۔ ارشاد باری ہے:

"اے اہلِ ایمان مسلمانوں کو چھوڑ کر دوسروں کے ساتھ دلی دوستی اور رازداری کا رشتہ مت استوار کرو۔ یہ لوگ تمہیں خراب کرنے اور فتنہ انگیزی کرنے میں کسی طرح کوتاہی نہیں کرتے۔ یہ چاہتے ہیں کہ جیسے بھی ہو تمہیں تکلیف پہنچے۔ ان کی زبانوں سے تو دشمنی ظاہر ہو ہی چکی ہے اور جو کینے ان کے سینوں میں مخفی ہیں وہ کہیں زیادہ ہیں۔ اگر تم عقل رکھتے ہو تو ہم نے تمہیں اپنی آیتیں کھول کے سنا دی ہیں۔"

(۳ : ۱۱۸)

پھر فرمایا:

"دیکھو تم ایسے صاف دل لوگ ہو کہ ان لوگوں سے دوستی رکھتے ہو۔ حالانکہ وہ تم سے دوستی نہیں رکھتے۔ اور تم کتاب پر پورا پورا ایمان رکھتے ہو۔ (اور وہ تمہاری کتاب کو نہیں مانتے) اور جب تم سے ملتے ہیں تو کہتے ہیں ہم مومن ہیں اور جب الگ ہوتے ہیں تو تم پر غصے کے سبب اُنگلیاں کاٹ کاٹ کھاتے ہیں۔ ان سے کہہ دو کہ بد بختو غصے سے مر جاؤ۔ اللہ تمہارے دلوں کی باتوں سے خوب واقف ہے۔" (۳ : ۱۱۹)

مسلمانوں کو صاف حکم ہے، اللہ تعالیٰ کا حکم ہے کہ جن لوگوں میں ایمان کی قدر مشترک موجود نہیں ان سے بچ کے رہیں۔

یہ وہی صورت ہے جیسے ایک ماہر ڈاکٹر کہتا ہے کہ جس کو ٹی بی ہوگئی ہو اس سے بچ کے رہو۔ اس سے گھل مل کے رہنا اپنے آپ سے دشمنی ہے بلکہ ڈاکٹر کہتے ہیں کہ پیارا بیٹا بھی ہو تو اس کے گلے ملنا یا اس کے سامنے بیٹھنے سے بھی پرہیز کرو اور چونکہ یہ بچنا اور بچنے کی فکر کرنا انسان کا پیدائشی حق ہے اس لیے کوئی دوسرا اسے مجبور نہیں کر سکتا کہ نہیں تم ضرور اس بیمار سے گھل مل کے رہو۔ اس لیے جن لوگوں کی توحید کا عقیدہ عین شرک ہو۔ جن کا رسالت پر ایمان یہ ہو کہ رسول کی حیثیت نوعیت کی ہے اصل وہ ہے جو پیر ہے۔ جن کا معاد پر ایمان یہ ہو کہ قیامت کے دن اللہ اس کی نیکیاں اُس کو دے دے گا اور اُس کی بُرائیاں اس کے کھاتے میں ڈال دے گا اور اُس کو جنت میں داخل کر دے گا اِس کو جہنم میں جھونک دے گا، اور کتاب اللہ کے متعلق عقیدہ یہ ہو کہ جو کتاب محمد رسول اللہ پر نازل ہوگی وہ سترہ ہزار آیت کی تھی اور یہ کتاب جو موجود ہے یہ سرے سے وہ ہے ہی نہیں جو محمد رسول اللہ پر نازل ہوئی تھی اور ختم نبوت کے متعلق یہ عقیدہ ہو کہ محمد رسول اللہ کے بعد ۱۲۔ اشخاص اور ہیں جن پر وحی بھی آتی رہی۔ کتابیں بھی نازل ہوئیں ان کی اطاعت اسی طرح فرض ہے جس طرح اللہ کے رسول کی۔ تو اس ایمان میں اور مسلمانوں کے ایمان میں کونسی قدر مشترک نظر آتی ہے۔

پھر ارکان اسلام کو لیجیے۔ جس نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سکھائے ہوئے کلمے کو نامکمل پا کر اس کے ساتھ اور پچر یں لگا لیں۔ جس نے اپنی عبادت کے لیے بلا دے کی خاطر ایک "تاریخی جھوٹ" بول کر مسلمانوں کے جذبات کو ٹھیس لگا ناضروری عبادت قرار دے لیا جس نے نماز میں من مانی تخفیف کر لی جس نے زکوٰۃ کا انکار کر دیا اور اس سلسلے میں مسلمانوں کو گمراہ کرنا اپنا شیوہ بنا لیا تو ایسے لوگوں کے ساتھ اخوت پیدا کرنے کا ارادہ دراصل اللہ تعالیٰ کے اس حکم کی صریح خلاف ورزی ہے۔

ان کی دشمنی اور کینہ کی طویل "تاریخ" عبداللہ بن سبا سے سقوط بغداد۔ نصیر طوسی اور ابن علقمی تک پھیلی ہوئی ہے۔ پھر وہاں سے اسلام آباد کے گھیراؤ اور عملی ملیشیا کے کرتوتوں تک پھیلی ہوئی ہے۔ تو اس طبقے کے ساتھ اخوت و اتحاد کا خیال بھی کسی معقول آدمی کے ذہن میں آ سکتا ہے؟

ہاں میکاولی کی سیاست جس کا دوسرا نام ٹ ۔ B ہے وہ ایسے ڈرامے اور اداکاری سکھاتی ہے اور ضرور سکھاتی ہے۔ ایسے لوگوں کے ساتھ اخوت کا سوال تو پیدا ہی نہیں ہوتا ہاں ان کے سامنے معاشرے میں امن سے رہنے کی تدبیر ضرور کی جا سکتی ہے (باقی صفحہ ۴۶ پر)

مومن کا مقصدِ زندگی

خلوص کی للّٰہیّت ــــــ اور عجز وانکساری سے قُربِ الٰہی کی تمنّا

(حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہٗ)

وَاِذْ نَادٰی رَبُّكَ مُوْسٰٓی . . . . .
. . . اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ ۝

(سورہ شعراء ۱۰ تا ۱۵)

ایک اساسی اور اصولی مسئلہ ارشاد ہوا ہے۔ حضور اکرم صلی اللہ تعالٰے علیہ وآلہٖ وسلم نے فرمایا کسی بھی ایسے شخص کو عہدہ نہ دیا جائے جو اس عہدے کا طلب گار ہو خواہش مند ہو۔ اور ایسے لوگوں کو تلاش کیا جائے جو استعداد رکھتے ہو خواہش نہ رکھتے ہوں۔ ہماری بدقسمتی یہ ہے کہ نہ صرف دنیوی امور میں امور دین میں بھی ہمارے بیشتر پیشوا یا جنہیں آپ با اختیار کہہ سکیں ایسے ہی لوگ ہیں جو اس عہدے اور رتبے پہ جان دیتے ہیں اور یہ بنیادی خرابی ہے سارے معاشرے میں خواہ دنیوی امور ہوں یا دینی امور ہوں۔ دنیوی امور میں تو خالصتاً چناؤ کا طریق ہی ایسا ہے جو ممبر بننا چاہتا ہے وہ آگے آجائے۔ وہ لاکھوں خرچ کرتے ہیں محنت کرتے ہیں کوشش کرتے ہیں اور ہزاروں جتن کرنے کے بعد کوئی ذرہ اقتدار کا ان کے حصے میں آتا ہے۔ آپ دیکھ رہے ہیں عملی زندگی میں کہ صرف باتیں ہوتی ہیں کہ قومی نمائندے ہیں۔ یہ ہوگا۔ یہ ہوا ہے۔ لیکن ساری محنت ان کی اپنی ذات کے گرد گھومتی ہے اور ہمیشہ وہ قوم سے انتقام لیتے رہتے ہیں کہ انہوں نے ہمیں بڑا بھگایا تھا۔ انہوں نے ہمارا بڑا پیسہ خرچ کرایا۔ ہم سے بڑی منتیں کرائیں۔ ہمارا بڑا خرچ کرادیا اور گذشتہ چالیس سالوں میں یہی کچھ ہوتا آیا ہے آپ امور دینیہ میں دیکھیں رزق کے مارے ہوئے لوگ محراب ومنبر پہ قابض ہیں اور جس طرف وہ اپنی مالی منفعت دیکھتے ہیں جس طرف اپنے اقتدار کی بقا دیکھتے ہیں اس طرف ان کے خطبے اور ان کی حمایت ہوتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ایک گھر میں اگر پانچ آدمی ہیں تو پانچ کے عقیدے علیحدہ علیحدہ ہیں۔ پانچوں مسلمان ہونے کے مدعی ہیں لیکن پانچوں کے عقاید میں زمین وآسمان کا فرق ہے۔ سب ایک نبی کی امت ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں۔ سب ایک قرآن کو اللہ کی کتاب ماننے کا دعویٰ کرتے ہیں تو پھر سب کے عقاید واعمال میں یکسانیت کیوں نہیں ہے اس لیئے کہ سب کو کوئی نہ کوئی علیحدہ مفہوم بتانے والا ہے اور جو وہ اپنی طرف سے مفہوم بتاتا ہے اس میں ان لوگوں کا نفع کم ہوتا ہے اور اس کا ذاتی منافع زیادہ ہوتا ہے۔

خداوند عالم نے جو اصول ارشاد فرمایا ہے جو اشارۃً اس آیت سے ثابت ہوتا ہے اس کی تائید نبی کریم صلی اللہ

تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمائی وہ یہ ہے کہ اس شخص کو مقام و مرتبہ و منصب اقتدار و اختیار دیا جائے جو اس کی خواہش نہ رکھتا ہو لیکن اس میں اس کو نبھانے کی استعداد ہو۔ دونوں باتیں دیکھی جائیں یہ نہ دیکھا جائے کہ ایک شخص خواہش نہیں رکھتا لیکن اس میں اہلیت و استعداد بھی نہیں ہے۔ ایسے بھی نہ ہو صاحب استعداد ہو۔ اس عہدے کی قابلیت رکھتا ہو لیکن اس عہدے کا خواہش مند بھی ہو تو اسے رد کر دیا جائے اور ایسا آدمی تلاش کیا جائے جو استعداد رکھتا ہو اور خواہش نہ رکھتا ہو۔

یہاں یہ آیت کریمہ اس کی بڑی پر زور تائید فرماتی ہے۔ ارشاد ہوتا ہے۔

وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی .... قَوْمَ فِرْعَوْنَ اَلَا یَتَّقُوْنَ ۝ (سورہ شعراء: ۱۱)

ایک تو رحمت باری کی وسعت ناپید اکنار دیکھیے کہ کہ بدترین خلائق اور بدنام زمانہ تاریخی اعتبار سے بدنام ترین انسان فرعون تھا جو اس دور میں مثال تھی لیکن اس کی رحمت اتنی وسیع ہے کہ اپنے نبی کو حکم دیتا ہے۔ اگرچہ پوری قوم ظلم میں مبتلا ہو چکی ہے لیکن اے میرے نبی وَاِذْ نَادٰی رَبُّکَ مُوْسٰی۔ جب تیرے رب نے موسیٰ کو ندا دی۔ موسیٰ کو حکم دیا۔ اَنِ ائْتِ الْقَوْمَ الظّٰلِمِیْنَ ۔ قوم فرعون، ظالم قوم قوم فرعون کے پاس ضرور جاؤ۔ کتنا کریم ہے۔ ارشاد ہوتا ہے اس لیے جائیں کہ اَلَا یَتَّقُوْنَ کہ ممکن ہے کوئی رمق ان کی کوئی ان کے ضمیر کا کونہ زندہ ہو، کہیں آثار زندگی کے ہوں۔ ممکن ہے کہ وہ توبہ کرے۔ اگر وہ اس مقام پر ظلم کی اس انتہا کو پہنچ کر، ضلالت کی اس گہرائی میں پہنچ کر مجھے پکاریں تو میں ان کی داد رسی کروں، میں ان پر رحم کروں۔

موسیٰ علیہ السلام عرض کرتے ہیں ایک بات آپ دیکھیں کہ جتنی مخلوق ہے رب العالمین کی۔ بحیثیت مخلوق کے انسان اس سب میں سے بہترین مخلوق ہے اور انسانوں میں جتنے منازل و مقامات تقسیم کیے ہیں جتنی بڑے سے بڑی نعمت انسانوں کو مل سکتی ہے اس سب میں سے سب سے بڑی نعمت نبوت ہے۔ نبوت سے بلند مقام رسولوں کا ہے رسول اس نبی کو کہتے ہیں جو صاحب شریعت ہو جو شریعت لایا ہو اور انبیاء وہ حضرات ہوتے ہیں جو کسی رسول کی شریعت کی تائید کرنے کے لیے مبعوث ہوتے ہیں۔ نبی اور رسول میں یہ فرق ہوتا ہے کہ رسول وہ ہوتا ہے جو خود صاحب شریعت، صاحب کتاب ہو، اپنی شریعت لایا ہو اور نبی وہ مقدس ہستی ہوتی ہے جو کسی رسول کی تائید میں کسی رسول کے بعد اس کی تائید میں اسی شریعت کو زندہ رکھنے کے لیے مبعوث ہو تو اس طرح رسالت نبوت سے بلند ہے۔

رسولوں میں بھی پانچ ہستیاں ایسی ہیں جنہیں اولو العزم قرار دیا گیا ہے۔ وہ بنیادی ستون ہیں۔ نبوت اور رسالت کے حضرت آدم علیٰ نبینا علیہ الصلوٰۃ والسلام، حضرت نوحؑ، حضرت ابراہیمؑ، حضرت موسیٰ اور حضرت عیسیٰ علیہم السلام یہ پانچ اولو العزم رسول ہیں یعنی رسولوں میں بھی رسولوں کے بھی پیشوا قرار دیے گئے۔ بنیادی ستون قرار دیے گئے یہ پانچ ہستیاں۔

اور ان کے امام ہیں آقائے نامدار محمد رسول اللہ صلی اللہ تعالیٰ علیہ وآلہ وسلم۔

تو موسیٰ علیہ السلام اولو العزم رسول ہیں یعنی اتنا بڑا مرتبہ

اتنا بڑا منصب اتنا بڑا مقام اللہ کی طرف سے عطا ہو رہا ہے اور خدا حکم دے رہا ہے موسٰیؑ میں نے تجھے رسالت سے سرفراز کیا۔ میں نے تجھے معجزات کمالات عطا کیے اور تو فرعون اور قوم فرعون کے پاس جا انہیں میری طرف دعوت دے۔ انہیں گناہ سے باز آنے کی نصیحت کر۔ عرض کرتے ہیں بار الٰہ قَالَ رَبِّ اِنِّیْٓ اَخَافُ اَنْ یُّکَذِّبُوْنِ ۔ خدایا پہلی بات تو یہ ہے کہ میں فرعون کے گھر میں پلا بڑھا وہ مجھے خوب اچھی طرح جانتا ہے۔ وہ ایک بہت بڑی سلطنت کا خود مختار فرماں روا ہے۔ اور میں ایک نہایت غریب گھر کا بیٹا ہوں۔ سب سے پہلی بات تو یہ ہے کہ میری یہ غریبی یا کمزوری کہیں تیرے پیغام کو ہلکا کرنے کا سبب نہ بن جائے۔ اور اس وجہ سے وہ تیرے پیغام کو اہمیت نہ دے کہ بھائی یہ موسٰی جو بات کر رہا ہے اس کی کیا اہمیت ہے۔ تو غرض تو ہے کہ تیری بات بلند ہو تیری بات کو وہ توجہ سے سنے اور تیری بات کو قبول کرے اور اگر میرے جانے سے یہ خدشہ ہو کہ تیری بات قبول نہ کی جائے گی تو خدایا پھر میرے جانے کا کیا فائدہ۔

پھر فرماتے ہیں میں نہ تو کوئی وسیع العلم ہوں نہ وسیع البیان ہوں وَیَضِیْقُ صَدْرِیْ۔ عرض کرتے ہیں کہ بار الٰہا میرے سینے میں اتنے علوم کا خزانہ نہیں ہے کہ میں تیری دعوت کو لے کر کھڑا ہو جاؤں اور میری زبان میرا ساتھ نہیں دیتی اس میں لکنت ہے۔

فَاَرْسِلْ اِلٰی ہٰرُوْنَ ۔ خدایا یہ میرا بھائی ہے ہارون۔ یہ بہتر ہے تو اسے سرفراز فرما دے اسے اس منصب پہ مقرر کر دے۔

دیکھیں کتنا بڑا انعام ہے کتنی بڑی نعمت ہے اللہ کی طرف سے دی جا رہی ہے اور اس بندۂ خدا کو دیکھو اس کی یہ خواہش نہیں ہے کہ میں پوری دنیا کے سربلند ترین پانچ رسولوں میں آ جاؤں۔ پوری کائنات میں پانچ منتخب رسول جو ہیں میں ان میں آ جاؤں گا۔ فرماتے ہیں صرف میرے آ جانے کا کیا فائدہ بات تو خدایا تیرے کام کی ہے اور اگر تیرا کام کوئی دوسرا شخص مجھ سے بہتر کر سکے تو خدایا یہ منصب یہ مقام یہ رتبہ اس کو عطا کر دے۔ میری نظر میں میرا بھائی ہارون بہترین آدمی ہے۔ یہ بڑی اچھی طرح بات بھی کر سکتا ہے بہت خوبصورت جوان ہے فرعون کو اس کے ساتھ کوئی ذاتی مس اور واقفیت بھی نہیں ہے۔ یہ اپنے جھونپڑے میں پلا بڑھا فرعون اپنے محل میں رہتا ہے اسے کیا خبر یہ کون ہے تو ممکن ہے نیا آدمی سمجھ کر اس کی بات سنے بات کر سکتا ہے یہ تیری بات پہنچائے اور ممکن ہے کسی کا بھلا ہو جائے کوئی ایک آدمی توبہ کر جائے کوئی ایک تیرے قرب کو پا لے۔ خدایا تو اسے سرفراز فرما دے۔

خدایا یہ نبوت و رسالت تو ہارون کو عطا کر دے۔

آپ دیکھیں کتنا ایثار ہے اس کے مقبول بندے میں کہ یہ اتنا بڑا منصب اتنا بڑا مقام اس کے لیے معذرت کر رہا ہے۔ حقیقتاً دیکھا جائے تو کہیں یہ اللہ کی بارگاہ میں بے ادبی ہی نہ ہو گستاخی ہی نہ ہو۔ اتنا بڑا انعام ہو رہا ہے اور وہ اسے کچھ سمجھتا نہیں لیکن بات ایسی نہیں اگر اس کی اہمیت کو دیکھو نبی اور رسول اگر نبوت و رسالت کو نہیں سمجھتا تو پھر دنیا میں اسے کوئی بھی نہیں سمجھتا۔

میں اور آپ ہم جتنے بھی نبوت اور رسالت کے فضائل بیان کریں ہم اس کی حقیقت کو نہیں پا سکتے۔ ایک شخص ایک شئے کو بطور غذا کھاتا ہے اور دوسرا ساری زندگی کھا نہیں سکتا کتابوں میں اس کی تعریف پڑھ پڑھ کے بیان کرتا ہے۔ اس میں یہ لذت بھی ہوتی ہے۔ اس کا ذائقہ میٹھا ہے اس کا ذائقہ شیریں ہے اس میں اتنی خوشبو ہوتی ہے کھانے والا اور کتابیں پڑھ کر بتانے والا کبھی ایک سے نہیں ہو سکتے۔ جنہیں نبوت و رسالت عطا کی ہے رب العالمین نے نبوت و رسالت کی عظمت سے واقف بھی کما حقہٗ وہی لوگ ہوتے ہیں

تو اتنا آشنا ہونے کے باوجود مختلف وجوہات مختلف اعتراضات مختلف طرح کے بہتان کی جو ہیں اس طرح پر بہتان لگایا جائے گا خدایا یہ سب باتیں مل کر کہیں تیری بات کو تیرے پیغام کو ہلکا نہ کر دیں کہ اس کی اہمیت کم نہ ہو جائے۔ فرعون کی نگاہوں میں تو میری ذات کو چھوڑ دے۔ میری ذات کی ضرورت نہیں ہے۔

ہارون مجھ سے زیادہ استعداد رکھتا ہے اس کو مبعوث کر دے تاکہ تیری بات کو زیادہ اہمیت ملے اور تیرا کوئی بندہ کسی ایک بندے کی اصلاح ہو جائے لیکن یہ عجز و نیاز بھی تو استعداد ہی کا حصہ ہے۔

تو ارشاد ہوا۔ قَالَ كَلَّا فرمایا موسیٰ ایسا ہرگز نہیں تجھی کو مقرر کیا جائے گا۔ ہاں تیری دعا ہے تیری کاوش سے تیری طلب سے میں تیری تائید کے لیے ہارون کو بھی نبوت عطا کرتا ہوں۔ یعنی کتنا خلوص تھا موسیٰ علیہ السلام کی اس بات میں فرمایا تیری رسالت تجھ سے نہیں چھینتا تیری رسالت سے تجھے محروم نہیں کرتا لیکن تیرا یہ خلوص جس خلوص سے تو مجھے کہہ رہا ہے وہ تو دلوں کے بھید جاننے والا ہے جس صدق سے جس خلوص سے تو وہ بات پیش کر رہا ہے ہارون کو بھی میں محروم نہیں رکھتا۔ اسے بھی نبوت عطا کرتا ہوں لیکن صرف تیری تائید کے لیے کہ اصل تو ہی رہے گا تیرا موید ہوگا ہارون۔

تو فرمایا فَاذْهَبَا بِآيٰتِنَآ اِنَّا مَعَكُمْ مُّسْتَمِعُوْنَ۔ ساری بات میں خود سن رہا ہوں تجھے فکر کرنے کی ضرورت نہیں ہے۔ تیرے سامنے وہ کونسا اعتراض رکھیں گے اور اس کا کونسا جواب ہو گا جو تجھ سے بات کر رہا ہو گا وہ تجھ سے بات نہیں کر رہا ہو گا وہ مجھ سے بات کر رہا ہو گا اور جو سوال ہو گا وہ میرے سامنے ہو گا اس کا جواب میں دوں گا تیری تو صرف زبان ہی حرکت

کرے گی دینوی امور میں بھی یہ قانون ہے اور یہ اساس ہے حضور اکرم صلے اللہ تعالٰے علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ عہدوں کے لیے مناصب کے لیے ایسے لوگوں کو تلاش کرو جن میں ان کی طلب موجود نہ ہو۔ اور امور دینیہ کے لیے تو یہ بنیاد ہے خصوصاً تصوف کے لیے اور ولایت خاص کو پانے کے لیے بنیادی اینٹ ہے ہر وہ شخص سربلند و سرفراز ہوگا جو سرنگوں ہو کر زندہ رہتا ہے جتنا جتنا اپنی حیثیت کو فراموش کرتا چلا جائے گا جتنا جتنا اپنے آپ کو نہ ہونا تصور کرتا چلا جائے گا اپنے آپکو جتنا کمتر خیال کرے گا اللہ کریم اتنا اُسے بلند و برتر بناتے چلے جائیں گے قانون ہے اصول ہے کہ جتنی کسی میں عجز و نیازمندی آئے گی اتنی اس کو سربلندی نصیب ہوگی اور جہاں جاکر یہ قانون بدلے گا۔

یہ بات بڑے غور سے یاد رکھنے کی ہے کہ انسان تادم واپس مکلف ہے وَاعْبُدْ رَبَّكَ حَتّٰى يَاْتِيَكَ الْيَقِيْنُ اس وقت تک اللہ کی عبادت کرتا رہ حتیٰ کہ موت تجھ سے آملے آخری سانس تک انسان ویسا ہی مکلف ہے جیسا آج ہے تو آخری سانس تک اگر کسی کے پیش نظر یہی بات رہے کہ میں عاجز و درماندہ بندہ ہوں خدایا اگر مجھ سے کوئی کام ہو بھی رہا ہے تو میرا کمال نہیں ہے کر تو رہا ہے مجھے تو نے وہ کام کرنے کے لیے سبب بنا دیا ہے یہ تری عطا ہے تب تک تو بات بنی رہے گی اور بنتی چلی جائے گی۔

لیکن جب اور جہاں یہ بات آگئی کہ میں بھی کوئی بہت بڑا آدمی ہوں اور مجھ میں کوئی بڑا کمال ہے میرے یہ کمالات ہیں اتنے لوگ میری بات سنتے ہیں اتنے لوگ میری بات مانتے ہیں اتنے لوگ مجھے عقیدت سے دیکھتے یا تلاش کرتے ہیں تو شاید میں کوئی بہت بڑی ہستی ہوں جب یہ بات آئے گی تو حالت بدل جائے گی وہ برکت وہ رحمت وہ منصب چھن جائے گا اور آپ دیکھتے ہیں آج ہماری بدنصیبی کی انتہا یہ ہے کہ دینی مراکز دو ہی تھے ہمارے۔ علماء اور صوفیاء اور ہر دور میں ہر مشکل ترین وقت میں جہاں بادشاہوں کی ہمتیں جواب دے گئیں وہاں اہل اللہ نے اور علماء حق نے حکم دین کو سربلند رکھا ہمارے اس دور میں بدنصیبی یہ ہے کہ بیشتر حضرات علماء میں سے بھی اور بیشتر حضرات جو صوفی ہونے کے مدعی ہیں ان میں سے بھی بجائے احیائے دین کے رسومات کو پھیلانے کا سبب بن رہے ہیں ہر خانقاہ کی ایک علیحدہ رسم ہے اور ہر مولوی کا ایک علیحدہ طرز عمل ہے

کیا یہ قوم کے ساتھ انصاف ہے کہ خداوند عالم نے دین کے تعلیم و تعلم کے لیے اور دینی امور کو جاننے سمجھنے اور سمجھانے کے لیے جمعہ کا مبارک دن مقرر فرمایا ہے اور جمعہ کی نماز فرض فرمائی ہے اور دو رکعت نماز میں سے گھٹا کر ان کا قائم مقام جمعہ کے دو خطبوں کو قرار دے دیا۔ یہ جمعہ کا پہلا خطبہ جو ہے یہ جمعے کے دو خطبے جو ہیں ظہر کی دو رکعتوں کے قائم مقام ہیں۔

چار رکعتیں نہ پڑھو دو رکعتوں کے بجائے دینی باتیں کرو اپنی ضروریات بیان کرو مسلمان اپنی ملکی سیاست میں بحث کرو تو کر سکتے ہو۔

اور دنیاوی ڈسکس کرو تو کر سکتے ہو کیونکہ مسلمان کی

دنیا بھی دین ہی ہوتی ہے اور اس مجلس کو دو رکعات نماز کے قائم مقام قرار دیا لیکن ہو کیا رہا ہے ہمارے ہاں کہ جو غریب چند لمحے لے کر مسجد میں آجاتے ہیں انہیں بھی محض بھونڈے انداز سے غلط شعر سنا کر ان کا وقت ضائع کرتے ہیں

اگر یہی شعر و شاعری دین ہے پھر کوئی ریڈیو سیٹ لا کر مسجد میں رکھ دو کوئی ٹیلی ویژن لا کر مسجد میں رکھ دو وہاں گانے والے راگ کے مطابق گاتے ہیں گانے بجانے کے بھی کچھ اصول ہیں جو ریڈیو ٹی وی پر گاتے ہوتے ہیں وہ ان قواعد و ضوابط کو جانتے ہیں پھر کم از کم جو غزل جو نظم جو شعر وہ پڑھتے ہیں وہ صحیح تلفظ کے ساتھ اور اصل شعر پڑھتے ہیں تو اگر یہی دین ہے تو پھر مولوی کی ضرورت کہاں ہے محراب میں لا کر ٹی وی رکھ دو یا ایک ریڈیو رکھ دو اسے آن کر دو لوگوں نے اگر غزل ہی سننی ہے .. شعر ہی سننے ہیں تو وہ شعر اس صحیح قانون گانے کے مطابق کیوں نہ سنیں۔

ہوتا یہ ہے کہ چند غلط شعر پڑھنے والے نہایت بھونڈے طریقے سے آپ جب میں گھر سے نکلا تھا تو شہر میں پانچ چھ مساجد میں جمعہ ہوتا ہے چھ مسجدوں میں ہر شخص ایک اپنی ٹر ٹر الاپ رہا ہے ساون کے مینڈکوں کی طرح انہیں کوئی پرواہ نہیں ہے کہ یہ غریب جو مسجد میں آگئے ہیں انہیں کم از کم کوئی وضو کا مسئلہ ہی بتا دیں ہاتھ دھونے کا طریقہ سکھا دو انہیں کھانے کے آداب بتا دو انہیں گفتگو کا طریقہ بتا دو انہیں غسل کے فرائض بتا دو ان میں بیشتر لوگ ایسے ہیں جنہیں غسل کرنے کا طریقہ ساری زندگی کسی نے نہیں سکھایا انہیں کوئی عقیدہ ہے کہ کوئی ایک سمجھا دو اگر وہ ہر جمعہ پر ایک ایک سیکھتے رہے تو زندگی میں شاید انہیں اللہ تعالیٰ بے شمار جمعے نصیب کرے ان کی واقفیت دین سے زیادہ ہو جائے لیکن کسی کو اس بات کی پرواہ نہیں۔

اور پھر انتہائی دکھ کی بات یہ ہے کہ ہر شخص صرف اسی کو مسلمان سمجھتا ہے جو اس کی مسجد میں نماز پڑھ رہا ہو جو ساتھ والی مسجد میں چلا گیا اس کے بارے وہیں سے فتویٰ داغا جا رہا ہو گا کہ وہ کافر ہے کتنی عجیب بات ہے کتنے دکھ کی بات ہے کہ مسجد میں بیٹھنے والا شخص دوسری مسجد والے کو کافر کہتا ہے کتنی عجیب بات ہے۔

میں ایک دفعہ ایک گاؤں میں گیا نماز ہو رہی تھی ایک بزرگ ہوا کرتے تھے شاہ صاحب اور ایک یہ ہمارے میاں صاحب ان دونوں کی آپس میں ٹھنی رہتی تھی تو شاہ صاحب نماز پڑھا رہے ہیں اور یہ خدا کا بندہ وضو کر کے وہاں بیٹھا ہوا تھا باہر میں نے کہا میاں صاحب میں تو وضو کر رہا ہوں آپ وضو کر کے کیوں بیٹھے ہیں جماعت میں شامل کیوں نہیں ہو جاتے تو فرمانے لگے یہ مشرک ہے میں نے کہا یار یہ بتاؤ کہ انہوں نے کلمہ توحید بھی پڑھا گھر سے چل کر مسجد بھی آئے حضورؐ کے بتائے ہوئے طریقے کے مطابق انہوں نے وضو بھی کیا حضورؐ کی سکھائی ہوئی نماز صرف اللہ کے حضور۔ حضورؐ کے طریقے مطابق پڑھ رہے ہیں اگر ابھی تک یہ مشرک ہی ہیں تو مسلمان ہونے کے لیے اور کیا کرنا پڑتا ہے چلو یہ گنہگار سہی یہ کم فہم سہی

یہ بے وقوف سہی تم انہیں کچھ بھی کہہ لو تم انہیں یہ بھی کہہ لو کہ ان کی دینی واقفیت صحیح نہیں ہے یا یہ نماز درست نہیں پڑھ رہے لیکن خدا کیلئے انہیں مشرک تو نہ کہو انہیں ہندوؤں اور سکھوں کے ساتھ شامل تو نہ کرو کچھ تھوڑا سا تو فرق رہنے دو انہیں کافروں کی صف میں تو شامل نہ کرو کتنی تنگ نظری ہے اور کتنی کم ظرفی ہے اور یہ ہر جگہ ہے ہر کہیں ہے۔

اور یہ کیوں ہے میری ناقص رائے میں اس کی صرف اور صرف ایک بنیادی وجہ ہے۔

کہ ہے زاغوں کے تصرف میں عقابوں کے نشیمن

جن مقامات پر خدا کے مخلص بندے ہوا کرتے تھے جن محرابوں میں اور جس منبر پہ اللہ کے دین کے طلبگار اور خدا کے سچے اطاعت گزار بیٹھا کرتے تھے وہاں دنیا کے طلبگار بیٹھے ہیں وہ صرف اور صرف لوٹنا چاہتے ہیں لوگوں کو جہاں سے جن بارگاہوں سے تقدس تقسیم ہوا کرتا تھا وہ لوگوں کی عصمتیں لوٹی جاتی ہیں جہاں سے دین بٹتا تھا اور اللہ اور اللہ کے رسول کی باتیں بتائی جاتی تھیں وہاں سے لوگ اپنی انانیت اور اپنی شہرت کو پھیلانے کے سبب تلاش کرتے ہیں اور کھری بات یہ ہے کہ ان لوگوں نے مسجد کو مسجد سمجھا ہی نہیں ان کے لیے مساجد منڈیاں ہیں اور یہ محراب و منبر ان کی دکانیں ہیں چونکہ ان میں اہلیت ہی نہیں تھی اس مقام پر بیٹھنے کی اور ہماری بد نصیبی یہ ہے کہ ہم نے ہر حرص کے بندے ہر خواہش کے بندے کو آزاد کر دیا ہے ان جگہوں پر بیٹھنے کے لیے اور خدا کے مخلص لوگ موجود ہیں لیکن چونکہ وہ طالب نہیں ہیں ان عہدوں کے ان مرتبوں کے وہ ان پر بیٹھنے کی خواہش نہیں رکھتے ہم میں بھی فرعونیت آگئی ہے ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم مولوی اس کو بنائیں جو ہمارا محتاج ہو۔

ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ ہم پیر اس کو اختیار کریں جو ہماری دنیا کے لیے دروازوں پر بھٹکتا پھرے اور لوگ تلاش کرتے ہیں کہ کس کا رقعہ حکومت کے ہاں کتنی اہمیت رکھتا ہے اور پھر میں نے پیروں کو بھی دیکھا ہے خدا کا نظام عجیب ہے کام سب کے وہ خود کرتا ہے خدا رب العالمین ہے رب وہ ہوتا ہے جو ہر ضرورت کی جگہ پر وہ چیز مہیا کرے جسکی ضرورت ہو اتنا وسیع علم ہو اس کا کہ ہر ضرورت مند کی ہر ضرورت سے واقف ہو اور اتنی قدرت رکھے کہ ہر ضرورت کی جگہ پر وہی چیز پہنچائے جو وہاں ضروری ہے اسی لیے اللہ کے سوا کوئی دوسرا رب نہیں ہے نہ اتنا علم کسی میں نہ اتنی قدرت کسی میں وہ اکیلا رب العالمین ہے تمام کائنات کا صرف اکیلا ربّ۔ تو جہاں ضروریات فاسد ہوتی ہیں وہاں افراد بھی ایسے بھٹاتا ہے جو بدکار ہوتے ہیں جب ہماری غرض مخلص نہیں ہوتی ہم پیر تلاش کرتے ہیں کسی دنیاوی نکتہ نگاہ سے اس اعتبار سے نہیں کہ کوئی نیک آدمی ہو اور خواہ دنیا ڈوب بھی جائے اس سے کم از کم دین نصیب ہو جائے ہم مولوی رکھتے ہیں اپنے ہاں تو اس غرض سے کہ خدا کی عظمت کم بیان کرے اور میری شہرت زیادہ ہو خدا کی اطاعت کرے نہ کرے میری بات ضرور مانے تو خدا جس طرح جھکھڑے کے پودے پر آم نہیں لگاتا وہ رب ہے وہ جانتا ہے یہ پودا کس کا ہے

اس پر کیا پھل ہونا چاہیے وہ انار کے درخت پر انگور نہیں اگاتا کبھی ببول پہ وہ بیری کے بیر نہیں لگاتا ہر درخت کا اس کی اصلیت کے مطابق پھل ہوتا ہے اور ہمارے اس کردار کا پھل ہیں یہ علماء سوء بھی اور بدکار پیر بھی۔

کیونکہ ہماری خواہشات درست نہیں ہیں بنیادی طور پر ہماری آرزو درست نہیں ہے ہم اللہ کی عظمت کے لیے نہیں خدا کے دین کے لیے نہیں اپنی بڑائی کے لیے یا اپنی دنیوی ضروریات کے لیے خانہ پُری کرتے ہیں تو خدا ہمیں پیر بھی ایسے دیتا ہے جنہوں نے دو دو دواتیں رکھی ہوتی ہیں دنیاوی اعتبار سے بھی اور جو مرید ہوں ان کے افسران کو بتا رکھا ہوتا ہے کہ اگر نیلی سیاہی سے رقعہ آئے تو اس کی پرواہ نہ کرنا کالی سیاہی سے آئے تو اس کا کام کر دینا اتنے کھرے لوگ ہیں پیر بھی اس زمانے کے کہ نیلی اور کالی دو سیاہیاں بنا رکھی ہوتی ہیں اور جن کی طرف رقعے بھیجتے ہیں ان کو بتا رکھا ہوتا ہے کہ نیلی سیاہی سے آئے تو اس کی پرواہ نہ کرنا ہم نے اُسے ٹرخایا ہوگا جس کو کالی سیاہی سے لکھ کر دیں گے اسکی بات سننا۔

جہاں ہم خلوص کی للّٰہیت کی اور قربِ الٰہی کی تمنا رکھتے ہیں وہاں کیسے کیسے فریب ہیں اور خدا اور خدا کے رسول کے نام پر اور خدا کا قرآن پڑھ کر لوگوں کو رسومات سے مطلع کیا جاتا ہے۔ آپ اندازہ کرلیں کہ کوئی تو زہر کھا کر مرے تو زہر تو ہے ہی مرنے کے لیے لیکن کوئی دودھ پی کر مر جائے تو بدنصیب ہوگا کہ دودھ غذا بھی ہے دوا بھی ہے اور کتنا بدنصیب ہے وہ شخص کہ وہ دودھ پیے اور وہ دودھ اس کی موت کا سبب بن جائے

قرآن حکیم سراپا حیات ہے اوّل تا آخر حیات ہے اس کا ایک ایک لفظ ایک ایک زیر ایک ایک زبر حیات کی نوید ہے اور یہ زندہ معجزہ ہے اسلام کا کہ چودہ صدیوں کا طویل فاصلہ بھی اس کے کسی ایک لفظ کو نہیں چھیڑ سکا۔ چودہ صدیاں زمین کی شکل کو بگاڑ دیتی ہیں۔ دریاؤں کی جگہ صحرا اور صحراؤں کی جگہ دریا ہو جاتے ہیں۔ پہاڑ ٹوٹ پھوٹ کر چٹیل میدان بن جاتے ہیں اور میدانوں میں مٹی کے تودے اور ریت کے انبار جمع ہو کر پہاڑ بن جاتے ہیں۔ صدیاں زمین کی سطح کو ویسا نہیں رہنے دیتیں۔ یہ ممکن ہی نہیں ہے کہ زمین کے کسی خطے کی شکل چودہ صدیوں بعد ویسی ہی رہے۔

آپ خود جزیرۃ العرب کو دیکھ لیں جہاں قطرہ پانی کا نہیں ملا کرتا تھا وہاں اب شہروں میں سرسبزے لہلہاتے ہیں۔ تین تین سو میل تک سڑک کے گرد صرف درخت نہیں پھول لگے ہوتے ہیں بالکل کیفیت ہی بدل گئی ہے۔ ہر جگہ کو دیکھ لیں۔

لیکن یہ اتنا زندہ معجزہ ہے دینِ برحق کا کہ چودہ صدیاں بھی اس کی ایک زیر یا زبر تک کو نہیں ہلا سکیں۔ من وعن جیسا نازل ہوا، جیسا حضورؐ نے تعلیم فرمایا جیسا حضورؐ نے ترتیب دیا، نہ کوئی اس کی ترتیب کو بدل سکا نہ کوئی اس کا کوئی جملہ بدل

سکا نہ کوئی اِس اِس لفظ کی زیر و زبر تبدیل کر سکا اپنے نزول سے لے کر آج تک یہ سراپا حیات ہے ۔

لیکن اگر کوئی اس کو پڑھ کر گمراہ ہو اور اس کی آیات مقدسہ کو غلط معنی پہنا کر ۔ آپ دیکھ لیں کہ غلام احمد قادیانی بھی تو اسی قرآن سے اپنی نبوت پر دلائل دیتا ہے جو سارا قرآن نبی رحمت ؐ کی نبوت کی طرف دعوت دے رہا ہے جس کا ایک ایک لفظ دعوت دیتا ہے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کی ۔ اُس کو غلط معنی پہنا کر الفاظ نہیں بدل سکا قادیانی لیکن اُن الفاظ کا مفہوم اُس نے اپنی مرضی سے ادا کیا ہے اور کفر کی گہرائیوں میں گر کر فنا ہو گیا ۔

میرے بھائی ایک شخص نے نبوت کا دعویٰ کیا ایک شخص نے ولایت کا دعوےٰ کیا ۔ دعوؤں میں تو فرق ہے اُس نے بہت بڑا دعوےٰ کیا اِس نے ذرہ چھوٹا دعوےٰ کیا ۔ لیکن جھوٹ ہونے میں تو کوئی فرق نہیں ۔ اُس نے بھی جھوٹ بولا اِس نے بھی جھوٹ بولا ۔ جھوٹ میں تو کوئی فرق نہیں ہے ۔ جھوٹ میں دونوں برابر ہیں نا ۔ اُس نے بھی اُس بات کا دعویٰ کیا جو اُس کے پاس نہیں تھی اور اِس نے بھی اُس وصف کا دعویٰ کیا جو اس کے پاس نہیں ہے ۔ تو جھوٹ میں تو کوئی فرق نہیں ہے نا ۔ قرآن کریم کے ساتھ ظلم کرنے میں تو دونوں برابر ہیں ۔ اُس نے بھی قرآن کے مفاہیم بدلے اور اِس نے بھی اُنہی مفاہیم کو بدل کر ، اُس نے بھی لوگوں کو گمراہ کیا اور یہ بھی لوگوں کی گمراہی کا سبب بنا ۔

تو اس کی ساری ذمہ داری صرف مولویوں اور پیر پر نہیں ہے اور یہ نہ سمجھیں کہ میں کوئی مولویوں سے باہر ہوں میں مولوی بھی ہوں اور پیر بھی ہوں دونوں مصیبتیں خود میرے اپنے سر پر ہیں لیکن بات کھری اپنی ہو یا دوسروں کی ۔ دوسروں سے پہلے اپنی بات صاف اور کھری کرنی چاہیئے ۔ یہ اتنا اعلیٰ اور اتنا اونچا مقام ہے مولویت کا بھی اور پیری کا بھی کہ اسلام کے دامن میں نبوت صحابیت کے بعد خیر القرون کے بعد اس کے بعد کوئی مرتبہ ہے ہی نہیں بڑے سے بڑا مسلمان ترقی کرے گا تو وہ مولوی اور پیر ہی بنے گا اس سے آگے نہ وہ نبی بن سکتا ہے نہ صحابی بن سکتا ہے ۔ اتنے بڑے مقام پر جو شخص بیٹھا ہو اُس کے قریب آکر کیا لوگوں کو سدھرنا چاہیئے یا بگڑنا چاہیئے تو پھر کم از کم میں آپ سے یہ ضرور پوچھ سکتا ہوں کہ جہاں جا کر لوگ بگڑتے ہیں آپ وہاں کیوں جاتے ہیں جن مولویوں کے پاس آپ لوگوں کو دیکھتے ہیں کہ ان کے پاس بیٹھنے والوں کی اصلاح نہیں ہوتی ، جن پیروں کے پاس آپ دیکھتے ہیں لوگ ٹرکوں کے ٹرک بھر کر لے جاتے ہیں جیسے جاتے ہیں اُن سے بدتر حالت میں جا کر واپس آتے ہیں ۔ اُن کا کردار نہیں بدلتا اُن کا نظریہ نہیں بدلتا اُن کا عمل نہیں بدلتا تو پھر اگر آپ بھی

وہیں جاتے ہیں تو اس کا مطلب ہے اُس برائی کو زندہ رکھنے میں آپ کا بھی حصہ ہے۔

یعنی ایک عام آدمی کو بھی تو یہ دیکھنا چاہیے، ایک شخص بارش میں کھڑا ہوتا ہے اور بھیگتا نہیں ہے کہ دوسرے کو بھی یہ سوچنا چاہیے کہ یہ بارش نہیں رہے یہ کوئی فریب ہے۔ ایک عمر سے آدمی بارش میں کھڑا ہے اور وہ بھیگا نہیں۔ یہ نہیں ہوتا کہ سارے لوگ بایزید بسطامی بن جائیں۔ یہ ممکن نہیں ہو سکتا۔ یہ بھی ممکن نہیں کہ ایک شخص کے پاس سو آدمی جائیں اور سو ہی کی اصلاح ہو جائے یہ بھی ممکن نہیں ہے یہ قانون قدرت کے خلاف ہے۔

قانون قدرت یہ ہے جتنے پودے ہوتے ہیں سارے درخت نہیں بنتے۔ جتنے انڈے آپ کسی مرغی کے نیچے رکھتے ہیں وہ سارے مرغ نہیں بنتے اُن میں سے کچھ ضرور مرتے ہیں۔ جتنے طالب علم سکول جاتے ہیں سارے افسر یا سارے فاضل یا سارے مردِ میدان نہیں بن جاتے کچھ راستے میں ضرور رہ جاتے ہیں لیکن یہ بھی نہیں ہوتا کہ جتنے جاتے ہیں سارے اَن پڑھ رہ جائیں یہ بھی نہیں ہوتا کہ جتنے پودے لگائے جائیں اُن میں کوئی بھی بار آور نہ ہو۔ یہ بھی کبھی نہیں ہوتا کہ جتنے بچے نکالے جائیں سارے مر جائیں۔ یہ تو بربادی کی سبیل ہے۔

منافق تو حضور صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم کے زمانے میں بھی رہے لیکن چند منافقوں کو نہ دیکھو اُن لکھوکھہا اشخاص مقدسہ کو دیکھو جو صحابیت سے سرفراز ہوئے تاریخ اُن کی مثال پیش نہیں کر سکتی۔

میرا اور آپ کا حساب یومِ محشر میں ہوگا۔ اللہ کی بارگاہ میں پیش ہوں گے جنہیں ہم بڑی نیکی سمجھتے ہیں لیکن وہاں جا کر پتہ چلے گا کہ اس کے پیچھے تو ہمارے اپنے نفس کی کوئی خواہش تھی۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالٰی علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا۔ حدیث شریف میں موجود ہے کہ ایک مجاہد، ایک عالم ایک شہید اور ایک بہت بڑا سخی انسان لا کر ان سے دوزخ کی آگ بھڑکائی جائے گی۔ سب سے پہلے عورتیں جیسے آگ جلانے کے لیے چولہے میں چھوٹے چھوٹے تنکے رکھتی ہیں اور جب وہ آگ پکڑ لیتے ہیں تو پھر ان پر بڑی بڑی لکڑیاں رکھ دیتی ہیں۔ آگ جل جاتی ہے۔ حضورؐ فرماتے ہیں اسی طرح ایک عالم ہوگا ایک بہت بڑا سخی ہوگا ایک بہت بڑا مجاہد ہوگا۔ ایک کوئی شہید ہوگا۔ اُن سے ان چار قسم کے لوگوں کو جمع کر کے دوزخ بھڑکائی جائے گی تو وہ عرض کریں گے بارالٰہا ہم نے تو دنیا میں وہ کام کیے جو بہت عظمت کے تھے تو سب سے پہلے ہمیں کے لیے دوزخ ۔ تو ارشاد ہوگا اُن عالموں کو، کیا تم نے ساری عمر اپنے آپ کو بڑا کہلوانے کے لیے نہیں پڑھا۔ کیا تمہاری اس ساری تعلیمی کدو کاوش کے پیچھے یہ خواہش نہیں تھی کہ میں بڑا بن جاؤں تو تم نے اپنی شہرت کے لیے قرآن

کو واسطہ بنایا تم سے بڑا مجرم کون ہے اُن غازیوں سے یہی کہا جائے گا کہ تم لڑے ضرور لیکن میری عظمت کے لیے نہیں اِس لیے کہ لوگ کہیں یہ بڑا بہادر ہے۔ اُن شہدار سے کہا جائے گا کہ تم نے جان تو میدان میں دی زخم تو کھائے گردنیں تو کٹوائیں لیکن میرے لیے نہیں تمہارے دل میں اپنی شہرت کی خواہش موجود تھی۔ یہی بات اُس سخی سے کہی جائے گی کہ تم نے بڑی دولت تقسیم کی لیکن اِس لیے کی کہ لوگ تجھے بڑا دولت مند کہیں میری عظمت کے لیے نہیں کی۔ یہ حدیث میں موجود ہے۔

تو ہمارا حساب تب ہوگا جب ہم اُس میدان میں پہنچیں گے تو جن چیزوں کو ہم بہت بڑی نیکی سمجھ رہے ہیں تو جب وہاں وہ قبول ہوں گے تو جب وہاں سے ارشاد ہوگا کہ واقعی تو نے یہ میری عظمت کے لیے کی میں قبول کرتا ہوں تب اعتبار ہوگا کہ ہماری یہ نیکی نیکی ہے۔

لیکن صحابہؓ ایسے بے مثال لوگ تھے کتنے عجیب لوگ تھے کہ ایک صحابی بیان فرماتا ہے میں اگلے روز حلیۃ الاولیاء دیکھ رہا تھا کہ حضرت ابو العلیٰ کے ساتھ وہ جہاد میں شریک ہوئے۔ حضرت ابو العلیٰ امیر لشکر تھے تو وہ فرماتے ہیں ہم ایک دریا پر پہنچے۔ کفار کا پڑاؤ دوسری طرف تھا اور دریا طغیانی پر تھا۔ بہت وسیع دریا تھا عبور کرنے کا کوئی وسیلہ نہ تھا۔ پُل توڑ دیئے تھے کافروں نے کشتیاں بہا دی تھیں حضرت ابو العلیٰ کنارے پر کھڑے ہو گئے۔ دعا کی

یا علیم یا حلیم یا علی یا عظیم ۔ سب سے پہلا جو انہوں نے نام پکارا اے جاننے والے ظاہر و باطن سے باخبر خدا اور یا حلیم اور متحمل اور بردبار اے سب کی حرکات کو برداشت کرنے والے بدکاروں سے واقف ہے لیکن اُن کو برداشت کرتا ہے۔ ظالموں کو جانتا ہے لیکن اُن کی روزی بند نہیں کرتا۔ کافروں جباروں اور متکبروں کو دیکھ رہا ہے لیکن اُنہیں روزی دے رہا ہے اُنہیں برداشت کر رہا ہے یا علی اے بہت بڑے یا عظیم اے سب سے برتر ۔ اِن چاروں صفاتی نام پکار کر عرض کی ۔ بارالہا ۔ اگر اس لشکر کشی سے میرے دل میں کوئی بات بات ہے کہ لوگ مجھے بڑا کہیں تو مجھے غرق دریا کر دے لیکن اگر میرا دل کھرا ہے اور میری نیت خالص ہے اور صرف تیری رضا کے لیے لڑ رہا ہوں تو دریا تو تیری مخلوق ہے، اسے کہہ دے میرا راستہ مت روکے

یعنی وہ بات جو مخلوق کی میدان حشر میں پیش ہوگی کہ اس کا دل اس کی نیت اس کا باطن کھرا ہے یا نہیں وہ ان لوگوں نے دنیا میں خود پیش کر دی۔ خدایا اگر میرے ارادے میں کوئی آمیزش ہے تو پھر زمین کے سینے سے زمین کا پیٹ میرے لیے بہتر ہے مجھے غرق دریا کر دے لیکن اگر میرا ارادہ صرف تیری رضا کے لیے ہے تو دریا کو منع کر دے۔ میں اپنی محنت دریا کے ساتھ ضائع نہیں کرنا چاہتا۔ میں کفار کے ساتھ ساری قوت

سے لڑنا چاہتا ہوں۔

وہ صحابی بیان کرتے ہیں، دعا کرکے پورے لشکر کو حکم دے دیا اُتر جاؤ تو وہ فرماتے ہیں ہم دوسرے کنارے جا کر دیکھا کسی کی عبا کو پانی نے نہیں چھوا تھا اور عربوں کی عبائیں آپ جانتے ہیں گھٹنوں سے نیچے تک ہوا کرتی تھیں۔ عربوں کا جو لباس تھا، اُن کی عبا ہمیشہ یہاں پنڈلیوں کے نصف تک آجاتی تھی گویا وہ بہت بڑا دریا اُن سب کے لیے پایاب ہو گیا وہ فرماتے ہیں ہم دوسرے کنارے پہنچ گئے تو کسی کی عبا گیلی نہیں تھی پاؤں ہی گیلے تھے۔

کیسے کیسے افراد پیدا کیے حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے۔

اسی طرح میں عرض کر رہا تھا جسے ہم مولوی جنہیں ہم پیر جنہیں ہم پیشوا سمجھتے ہیں ہمارا بھی یہ حق بنتا ہے ہم دیکھیں کہ اِن کے پاس آکر جو لوگ بیٹھتے ہیں کیا اُن میں کوئی مثبت تبدیلی آتی ہے۔ کیا پہلے سے بدل جاتے ہیں سارے لوگ ایک سے نہیں ہوتے۔ بعض لوگ چور ہوتے ہیں وہ نمازی تو نہیں بنتے لیکن کسی نیک کے پاس بیٹھ کر کم از کم چوری چھوڑ دیتے ہیں۔ یہ مثبت تبدیلی ہے۔ بعض لوگوں کے عقائد درست نہیں ہوتے لیکن کسی صالح مجلس میں بیٹھ کر اُن کے عقائد درست ہو جاتے ہیں یہ بھی مثبت تبدیلی ہے۔ ہر شخص میں ایک جیسی تبدیلی نہیں آتی سارے ذاکر شاکر نہ بنیں لیکن ہر شخص اپنی جگہ پہ بھی نہ رہے کچھ نہ کچھ اس میں ترقی ہو دین کی طرف کوئی قدم تو وہ بڑھے پھر تو اُس مجلس میں ہم بھی بیٹھیں۔

اور جہاں جا کر جو پہلے سے نمازیں پڑھنے والے ہوں اُن کی بھی قضا ہو جاتی ہوں جو گھر میں رہ کر نیکی کرنے والے ہوں وہاں جا کر اُن سے بھی وہ چھوٹ جاتی ہوں وہ بھی لہو ولعب میں اور فضولیات میں وقت صرف کرتے ہوں تو صرف پیروں اور مولویوں پہ گلا نہیں پھر ہم بھی ذمہ دار ہیں، اُس بُرائی کو جاری رکھنے کے کہ ہم پھر اُس کی تائید کرتے ہیں۔

میرے بھائی میں نے بات عرض کی تھی اس بنیاد سے کہ ہمارے ہاں بنیاد غلط ہے۔ قاعدہ ہے قرآن کا اور حضور صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کا بھی ارشاد ہے کہ مناصب اور عہدے اُن لوگوں کو دو جو اُن مناصب اور عہدوں کے طلب گار نہ ہوں خواہش مند نہ ہوں تاکہ وہ بے غرض ہو کر صرف اللہ کے لیے کام کر سکیں اور ہمارے ہاں گنگا ہی اُلٹی بہتی ہے۔ ہمارے ہاں پیر اور مولوی بھی وہی ہے جو خود اُس کا مدعی ہے اور حکومت کا تو طریقہ ہی مغربی ہے اور یہ مصیبت ہے ہماری ہمارے ذہن سے یہ غلامی اُترتی نہیں ہے۔ ہم یہ سمجھتے ہیں کہ یورپ میں جو کچھ ہوتا ہے، وہی صحیح ہے۔

یہاں ہمارے ہاں ایک صاحب تشریف

لائے وقت ہوگیا ہے۔ ایک محکمہ ہوا کرتا دیہات سُدھار۔ اُس میں انہوں نے بڑا سٹاف رکھا تھا بڑا خرچ کیا تھا ایوب کے زمانے میں۔ تو وہ لوگ جاتے تھے امریکن کنٹریز میں اور وہاں سے کورس کر کے آتے اور یہاں آکر لوگوں کو باتیں بتاتے۔ یہاں انہوں نے اجتماع کیا اُس میں مَیں بھی تھا تو اُس نے چند باتیں جو وہ ابھی ابھی امریکہ سے سیکھ کر آیا تھا تو بنیادی بات یہ تھی کہ انہوں نے ہمیں سکھایا ہے کہ اگر تم کسی ایک منصب پر بیٹھے ہو اور آفیسر ہو تو اگر کوئی آدمی تمہارے پاس شکایت لے کر آتا ہے تو سب سے پہلے یہ ضرور سمجھ لو کہ یہ آدمی بھی اپنی زندگی میں مصروف ہے، اُس کا بھی کوئی کام ہے۔ اگر یہ میرے پاس کورٹ میں عدالت میں اپنا کوئی کام چھوڑ کر آیا ہے تو اسے ضرور کوئی مجبوری لائی ہے۔ یہ ضرورت مند ہے اُسے خندہ پیشانی سے پیش آؤ۔ پھر اگر وہ کام تمہارے متعلق نہیں ہے کسی دوسرے آفیسر کے متعلق ہے تو بھی اُس کی بات غور سے سُننے کے بعد اُسے سمجھاؤ کہ وہ پھر اور دفتروں کے دھکے نہ کھاتا پھرے کہ میاں تمہارا کام فلاں کمرے میں جو آدمی بیٹھا ہے، اُس نے کرنا ہے۔ اسی طرح کی باتیں بتانے کے بعد انہوں نے مجھ سے کہا کہ آپ بھی ضرور کچھ کہیئے۔ مَیں نے کہا یار آپ نے کہہ دیا اچھا ہے ــــ نہیں ضرور کہیئے۔

تو مَیں نے صرف چند باتیں کی تھیں کہ مجھے بڑا دُکھ ہے آپ کروڑوں روپے خرچ کر کے قوم کا خون پسینہ خرچ کر کے لاکھوں میل سفر کر کے اپنا وقت ضائع کر کے وہ بات تلاش کرنے گئے جو نبی اکرم صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے ہم تک پہنچا دی صرف آپ سے یہ تکلّف نہ ہو سکا کہ آپ اللہ کی کتاب کو کھول کر دیکھ لیں اپنے پیامبر کے ارشادات کو کھول کر دیکھ لیں۔

یورپ میں تو بھیڑیئے بستے تھے۔ جب مدینہ منورہ میں صحابہؓ پیدا کر دیئے تھے محمد رسول اللہ صلّی اللہ تعالےٰ علیہ وسلّم نے۔ اُنہیں تو ہاتھ منہ دھونے کا طریقہ نہیں آتا تھا۔ مکان نہیں تھے یورپ میں اور پیرس کی گلیوں میں گھٹنے گھٹنے کیچڑ ہوا کرتا تھا جب بغداد کی سڑکیں پختہ تھیں۔

لیکن دُکھ اس بات کا ہے کہ آپ یورپ سے اتنے مرعوب ہیں کہ دینی بات بھی آپ وہاں سے سیکھیں وہاں کے حوالے سے ہو اور آج دیکھ لو این میری شمل بتا دے تو وہ سند ہو جاتی ہے اور کوئی دین دار وہی بات کہے تو اسے اہمیت نہیں دی جاتی۔ یعنی ایک یہودی لڑکی ہے ایک یہودی عورت ہے جس نے ساری عمر شادی نہیں کی۔ تنہا رہتی ہے اور ساری عمر بدکاری میں بسر کر دی ہے وہ سند ہے ہمارے تصوف پر پاکستان میں اور لاہور میں باقاعدہ ایک سڑک کا نام رکھا گیا، خیابان این میری شمل لو اور سنو یعنی سند ہے تصوف

پر، جو دین کا بھی نچوڑ ہے، ایک یہودی عورت۔

تو میرے بھائی زندگی کا اعتبار نہیں ہے کس قدم پر ساتھ چھوڑ جائے۔ اپنی زندگی گزارنے کے لیے کُونُوْا مَعَ الصّٰدِقِیْنَ اللہ کریم فرماتا ہے سچے اور کھرے لوگوں کا ساتھ تلاش کر لو۔ وہ تمہیں بھی سچائی تک ساتھ لے جائیں گے۔

حضور اکرم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم نے فرمایا بخاری شریف میں موجود ہے کہ نیک انسان کی مجلس عطار کی دکان ہے۔ آدمی عطر فروش کے پاس بیٹھے تو کوئی شیشی خرید لیتا ہے۔ اگر نہ خریدے تو ممکن ہے وہ تحفتاً کوئی روئی کے پھنبے سے لگا کر دے دے یہ بھی نہ ہو تو جتنی دیر بیٹھا رہے خوشبو تو لیتا رہتا ہے۔ فضا تو معطر ہوتی ہے — بدکار کی مجلس لوہار کی دکان ہے یا تو کوئی گرم چھینٹ لوہے کی پڑے گی جل کے اُٹھے گا ورنہ جتنی دیر بیٹھا رہا، تپش اور دھواں تو آتا رہے گا — تو کم از کم ہم سب پر تو واجب ہے کہ ہم بُری مجالس سے بُرے لوگوں سے بدکار کی محفل سے تو پرہیز کریں اور جو وقت اپنے کاروبار سے اپنی مصروفیات سے بچتا ہے کم از کم اُس کے لیے کوئی نیک مجلس تلاش کریں کہ اگر نیک لوگ بیٹھنے کے لیے نہیں ملتے تو کوئی اچھی سی کتاب ہی پڑھتے رہو۔ یہ بھی نیک لوگوں کی مجلس جتنا اثر رکھتی ہے۔

اور ہر شخص اپنی زندگی کے ایک ایک لمحے کا حساب رکھے کس کو کہاں بسر کر رہے ہو چونکہ کل ہمیں لمحے لمحے کا حساب دینا ہے۔

خداوند عالم ہماری لغزشوں کو معاف فرمائے

واخر دعونا ان الحمد للہ رب العلمین

بقیہ: وحدتِ ملّت

اور وہ یہ ہے کہ:

(۱) ایمان چونکہ قلب کا فعل ہے اور اس میں اللہ کریم نے انسانوں کو آزادی دی ہے اس لیے جس کا جو جی چاہے عقیدہ اختیار کرے کسی کو مجبور کر کے عقیدہ بدلنے کی اجازت نہیں

(۲) وہ اپنے عقیدے پر رہ کر اپنی عبادت گاہوں میں اپنی عبادات پوری آزادی سے کریں۔

(۳) کوئی ایسی حرکت نہ کریں جس سے دوسرے کے جذبات کو برانگیختہ کر کے امن کی فضا کو خراب کیا جائے۔

ان تدابیر کے اختیار کرنے سے ملک میں امن کی فضا پیدا ہو سکتی ہے اور اہلِ ایمان کے لیے اللہ کریم کی بتائی ہوئی

ان میں باہمی اخوت اور اُلفت

پیدا ہو سکتی ہے۔

وما علینا الا البلاغ

افہام و تفہیم

سوالات ۱۔ آپکے خلاف پروپیگنڈا کیا جارہا ہے کہ آپ لوگوں کو تبلیغی جماعت میں جانے سے روکتے ہیں گو میں نے آپکے ساتھیوں میں سے کسی کی زبانی یہ بات نہیں سُنی۔

۲۔ میری تجویز یہ ہے کہ تبلیغی جماعت کے سالانہ اجتماع میں آپ تشریف لاکر تقریر فرمائیں۔

۳۔ آپ اپنے اجتماع میں مولانا جمشید صاحب اور دوسرے بزرگوں کو دعوت دیں

جواب :۔ آپکی پہلی بات کا جواب تو آپ نے خود ہی دے دیا ہے کہ ہمارے کسی ساتھی سے آپ نے تبلیغی جماعت کے خلاف کبھی کوئی بات نہیں سنی اور یہ کہ پروپیگنڈا آپ کے خلاف کیا جارہا ہے دونوں بیانوں کو ملائیے نتیجہ اس کے بغیر کیا ہوگا کہ جھوٹا پروپیگنڈا کیا جارہا ہے مگر سوال یہ ہے کہ یہ پروپیگنڈا کون کرتا ہے؟ اس کا کھوج آپ لگائیں۔

ہم تو اپنے ساتھیوں کو تبلیغی جماعت کے ساتھ وقت لگانے کی تلقین ہی نہیں تاکید کرتے ہیں۔ کیونکہ ہمارے سامنے تبلیغی جماعت کا وہ دور ہے جب حضرت مولانا الیاس صاحب رح یہ پرچہ لکھ کر حضرت مدنی رح کے پاس بھیجا کرتے تھے کہ حضرت میں نے ان کا ظاہر کچھ بنا دیا ہے آپ ان کا باطن کچھ بنا دیں اور حضرت مدنی رح حضرت الیاس رح کے پاس بھیجا کرتے تھے کہ میں نے ان کا باطن کچھ بنا دیا ہے آپ ان کا ظاہر کچھ بنا دیں۔

یہ پاکیزہ بنیاد اصول اور عقیدہ ہماری چشم تصور سے کبھی اوجھل نہیں ہوتا۔

البتہ تبلیغی جماعت کے بعض بزرگوں کا رویہ ذکر الٰہی کے متعلق ایسا ہے کہ خود عظیم تبلیغی رہنما حضرت شیخ الحدیث رح اس کے شاکی رہے ہیں تفصیل درکار ہو تو حضرت کا خط جو پمفلٹ کی صورت میں شائع ہو چکا ہے اس کا مطالعہ کر لیجئے۔

اس خط کے آخر میں نصیحت کے طور پر فرماتے ہیں اہل ذکر اہل نسبت سے رجوع کرو ان سے ذکر پوچھو ساتھیوں کو اس پر لگاؤ یہ نہیں کہ دوسرے نمبروں پر ان کی پوری طاقت خرچ کروانے کے بعد جب چھٹی دو تو اعلان کر دو کہ بھائی اپنی اپنی تسبیحات پوری کر لیں۔

آپ نے مشورہ دیا ہے کہ رائے ونڈ میں جا کر آپ تقریر فرمائیں۔ آپکا یہ مشورہ پوری دلسوزی اور اخلاص کا آئینہ دار ہے تقریر کا موضوع تو دعوت ہی ہے۔

ہمیں تقریر کرنے میں کیوں نہ خوشی ہوگی ہم یہ فریضہ ادا کرنے کو تیار ہیں بشرطیکہ اکابر تبلیغ ہمیں یہ سعادت حاصل

(بقیہ [illegible] پر)

بقیہ: اسلام عورت سے کیا چاہتا ہے؟

بلکہ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی تصویر بنا رہے عورت یقین دلاتی ہے کہ اسلام کا نام ضرور باقی رکھے گی اسے مٹنے نہیں دے گی اور شیطان کا کام کرتے ہوئے بھی اسلام کے نام کو نہیں بھولے گی تاکہ اگر کوئی کور ذوق یہ کہہ دے تو اس کی مطلق پروا نہ کرے ؎

کفر سے الفت بھی ہے دل میں بتوں کی چاہ بھی
کہنے جاتے ہیں مگر منہ سے معاذ اللہ بھی

• •

اجتماعی ذکر

اجتماعی ذکر سے ذاکرین کے انوار کا عکس ایک دوسرے پر پڑتا ہے جس سے نحوست دور ہوتی ہے۔ قلب میں انبساط پیدا ہوتا ہے ہمت قوی ہوتی ہے۔ اس اجتماعی ذکر سے جو تاثیر باطن میں پیدا ہوتی ہے، وہ الفاظ میں بیان نہیں ہو سکتی۔

(ارشادات: حضرت مولانا اللہ یار خان رحمۃ اللہ علیہ)

بقیہ: اسرار التنزیل

اصلاح ہوتی تو عجائبات تو ہر آن دنیا میں رہے ہیں انبیاء سے پہلے بھی رہے ہیں۔

حضور نبی کریم صلی اللہ تعالیٰ علیہ وسلم کی بعثت سے پہلے کتنے جادوگر بڑے جادوگر کاہن صاحب کمال تھے کیا انہوں نے کسی کی اصلاح کی یعنی یہ بجز نور نبوت کے ممکن نہیں۔

اگر آپ کہتے ہیں کہ مسمریزم سے ہو رہی ہے تو جب آدمی کا عقیدہ بھی صاف ہو جاتا ہے عمل بھی سدھر جاتا ہے تو مسمریزم ہی اکسیر ہے اس کا نام مسمریزم ہی رکھیے غرض تو اصلاح احوال ہے انبیاء علیہ السلام کا بنیادی مقصد ہی اصلاح احوال تعمیر انسانیت اور بندے کو خدا سے آشنا کرنا ہوتا ہے اور اس کے علاوہ جتنے کمالات ہیں وہ محض وقتی لمحاتی حصولِ اقتدار کے لیے حصولِ شہرت کے لیے اور سو فیصد اخلاقِ انسانی کو بگاڑنے کے لیے ہوتے ہیں ان سے بگاڑ پیدا ہوتا ہے۔ اصلاح نہیں ہوتی۔

وَاٰخِرُ دَعْوٰنَا اَنِ الْحَمْدُ لِلّٰهِ رَبِّ الْعٰلَمِيْنَ

بقیہ: افہام و تفہیم

کرنے کی دعوت دیں جہاں تک تبلیغی بزرگوں کی تشریف آوری کا تعلق ہے ہمارے دروازے نہیں بلکہ دل کے دروازے ان کے لیے کھلے ہیں اور ہم ان کے استقبال کو سعادت سمجھتے ہیں

اسلامی تعلیمات اور نظریہ پاکستان

(ایم امین ۔ ایم اے)

فرد کی زندگی کے دو پہلو ہیں ۔ انفرادی اور اجتماعی اس لیے انسانی زندگی کے مسائل بھی دو طرح کے ہیں ایک وہ جن کا تعلق فرد سے ہے اور ان مسائل کے متعلق احکام میں مخاطب بھی فرد ہوتا ہے دوسرے وہ مسائل جن کا تعلق براہ راست معاشرہ یا ہیئت اجتماعی سے ہوتا ہے ۔ ایسے مسائل کے متعلق احکام میں براہ راست مخاطب ہیئت مقتدرہ ہوتی ہے اور بالواسطہ فرد اس بنا پر صحیح نظام زندگی وہ ہے جس میں انسان کی اس فطری ضرورت کو پورا کرنے کا اہتمام ہو ۔

اسلام دین فطرت ہے اس لیے اسکی تعلیمات عین انسانی فطرت کے مطابق ہی نہیں بلکہ اس کے تقاضا کو پورا کرنے کی واحد صورت ہے لہذا اسلامی تعلیمات اور اسلامی احکام میں بعض وہ ہیں جن کا تعلق فرد سے ہوتا ہے ان میں مخاطب فرد ہوتا ہے ۔

دوسرے وہ احکام ہیں جن کا تعلق ہیئت اجتماعی سے ہوتا ہے ان میں خطاب ہیئت حاکمہ کو ہوتا ہے

اسلامی تعلیمات کا ماخذ اللہ کی آخری کتاب قرآن حکیم ہے ۔ یہ تھوڑا تھوڑا کر کے کوئی ۲۳ برس کی مدت میں نازل ہوتا رہا اس کے احکام جہاں دو مختلف ادوار سے تعلق رکھتے ہیں وہاں ان کا تعلق انسان کی ان دو مختلف فطری حالتوں سے بھی ہے جن کا اوپر بیان ہوا ہے چنانچہ نزول کے اعتبار سے قرآن دو حصوں میں منقسم ہے جنہیں محل کے اعتبار سے مکی اور مدنی کہتے ہیں ان کا مطالعہ کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ مکی سورتوں میں جو احکام دیے گئے ہیں ان میں مخاطب لفظاً یا معناً فرد ہوتا ہے مگر مدنی سورتوں میں صورت مختلف ہے وجہ ظاہر ہے کہ مکی دور میں مسلمان بحیثیت مسلمان بالکل انفرادی زندگی بسر کر رہے تھے ۔

مدینہ طیبہ پہنچ کر نبی کریم ﷺ نے ایک ریاست کی بنیاد رکھی ۔ اور میثاقِ مدینہ کی رو سے یہودی عوام نے مسلمانوں کی برتری اور حاکمانہ حیثیت تسلیم کر لی اور عملاً ایک اسلامی ریاست وجود میں آگئی اور قرآن حکیم نے حکمرانی کے اصول سکھائے اور اجتماعی مسائل کا حل اور سلیقہ سکھایا چنانچہ قرآن حکیم کی مدنی سورتوں میں ہمیں ایسے احکام بکثرت ملتے ہیں جن مخاطب اسلامی حکومت ہیئت حاکمہ اور ہیئت مقتدرہ ہوتی ہے مگر ایسے

احکام بھی دراصل ہوتے فرد ہی کے لیے ہیں جن میں فرد کو مسلمان معاشرے کا ایک رکن ہونے کی حیثیت سے اللہ کا بندہ اور بندوں کا بھی خواہ بن کر زندگی بسر کرنے کا سلیقہ سکھایا جاتا ہے۔

ایسے اجتماعی احکام جو اسلامی تعلیمات کا معتدبہ حصہ ہیں اس امر کے متقاضی ہیں کہ کرہ ارض پر مختلف ممالک میں ایسے خطے لازماً ہونے چاہییں جہاں مسلمان اس قسم کی اسلامی زندگی آزادی سے گذار سکیں اور جہاں اقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہونا چاہیے جو اسلامی تعلیمات کے مطابق اسلامی احکام نافذ کر کے فرد اور معاشرہ کو اسلام کی برکتوں سے مالا مال کر سکیں۔

یہی وہ فطری داعیہ تھا متحدہ ہندوستان کے مسلمان مفکروں کے ذہن میں اٹھا اور انہوں نے یہ مطالبہ کر دیا کہ اس برعظیم میں جہاں مسلمانوں کی اکثریت ہے وہاں اقتدار مسلمانوں کے پاس ہونا ضروری ہے تاکہ وہ صحیح معنوں میں اسلام نافذ کر سکیں اور ایسے افراد تیار ہو سکیں جو پوری دنیا کو دکھا دیں کہ مسلمان فرد اور مسلمان حکومت اس کا نام ہے۔

"جذبہ بالکل فطری تھا اور جذبہ اسلامی تھا مگر بعد کے حالات نے ثابت کر دیا کہ تقسیم کے بعد اقتدار جن کے ہاتھوں میں آیا وہ نہ مخلص تھے نہ اس کی اہلیت رکھتے تھے ہاں ایکٹنگ کرنے میں انہیں مہارت حاصل تھی یہی وجہ تھی کہ تقسیم کے ۳۹ برس بعد حکومت کے ایک نہایت اہم رکن یعنی وزیر دفاع نے یہ برملا کہہ دیا کہ میں اس سے اتفاق نہیں کرتا کہ پاکستان نظریہ اسلام کے تحت وجود میں آیا۔

اپنے اس دعویٰ کے ثبوت میں وزیر دفاع نے جو حقیقت بیان کی اس کے پیش نظر ان کے دعویٰ کی تائید کیئے بغیر چارہ کار نہیں وہ فرماتے ہیں:۔

اگر ایسا ہوتا تو غلام محمد۔ سکندر مرزا۔ ایوب خان یحیٰ خان اور بھٹو جیسے لوگ ہرگز برسر اقتدار نہ آتے

(نوائے وقت راولپنڈی ۸۶-۹-۳)

نتیجہ کو دیکھا جائے تو بات انکی درست ہے مگر اس مہم کے آغاز اور اصول کو دیکھا جائے۔ تو پاکستان کا مطلب کیا لا الٰہ الا اللہ ایک حقیقت نظر آتی ہے پھر اس آغاز اور تقریباً ربع صدی بعد کے نتیجہ میں اتنا تضاد کیوں ہے اس کی وجہ کچھ وہ نظر آتی جو اس شخص نے جسے قوم بانی پاکستان کہتی ہے۔ ایک موقع پر کہا تھا کہ میری دونوں جیبیں کھوٹے سکوں سے بھری ہوئی ہیں۔"

بات درست ہے کھوٹے سکوں سے بازار میں کسی دوکان سے کوئی سودا نہیں مل سکتا اس لیے اتنی مدت گزرنے کے باوجود قوم ابھی پاکستان کا مطلب سمجھنے کیلئے اقتدار کی جانب ٹکٹکی باندھے دیکھ رہی ہے مگر ادھر سے لچھے دار تقریروں میں خوش کن وعدوں کے بغیر کچھ حاصل نہیں ہو رہا یہ المیہ تو ہماری بدنصیبی ہے مگر اس میں کوئی شک نہیں۔ کہ پاکستان صرف اسلام نافذ کرنے کے لیے بنایا گیا تھا اب خدا جانے وہ نافذ کرنے والا کب اور کیسے معرض وجود میں آتا ہے۔

صفارہ اکادمی کے نئے تعلیمی سال کی افتتاحی تقریب

اکادمی کے نئے تعلیمی سال کے افتتاح کے لیے اکادمی کے پرنسپل اکرام اللہ خان قاسمی نے ایک شاندار تقریب کا اہتمام کیا۔ اکادمی کے طالب علم انصر اقبال کی تلاوت قرآن پاک کے بعد طالب علم رضاء الرحمان نے نعت پیش کی۔ مہمان خصوصی حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ سرپرست اعلیٰ اکادمی تشریف فرما تھے۔ پہلی تقریر کرنل مطلوب حسین صاحب نے فرمائی جس کا متن حسب ذیل ہے۔

نحمدہٗ و نصلی علیٰ رسولہ الکریم۔ اما بعد

فاعوذ باللہ من الشیطٰن الرجیم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

میرے دوستو اور بزرگو خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ اُس نے ہمیں توفیق عطا فرمائی۔ کہ یہ ادارہ جسے صفارہ اکادمی کہتے ہیں یہ حضرت کی منشاء کے مطابق اور بہت پرانی خواب کی تعبیر ہمارے سامنے آئی۔ یہ ادارہ معرض وجود میں آیا جیسا کہ آپ کو معلوم ہے کہ اس کا افتتاح ۱۹ جنوری ۱۹۸۶ء کو صدر محترم پاکستان جناب جنرل محمد ضیاء الحق صاحب نے فرمایا۔ اس ادارے کے مقاصد یہ ہیں کہ ہم نے انشاء اللہ تعالیٰ اس خلاء کو جو اس وقت معاشرے میں پایا جاتا ہے اس کو پُر کرنے کے لیے یوں کوشش کی ہے کہ آج تک یہ ہوا ہے جو انسان یا جو مسلمان اس برصغیر میں جو مسجد میں گیا وہ مسجد کا ہو کر رہ گیا۔ اور جو دنیا کی طرف گیا وہ دنیا کا ہو کر رہ گیا۔ تو اس خلاء کو پُر کرنے کے لیے یہ منصوبہ سوچا گیا ہے کہ اللہ تبارک و تعالیٰ کی توفیق سے ہم اس ادارے سے جو لوگوں کو تعلیم کے ذریعے سے تعلیم سے آراستہ کریں کہ وہ جب معاشرے کے اندر جائیں تو انہوں نے مکمل طور پر اسلام کی عینک پہنی ہو اس لیے آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ بچے جو آپ کے سامنے بیٹھے ہیں۔ انشاء اللہ اس اکیڈمی سے گریجوایشن کر کے یہاں سے نکلیں گے۔ نہ یہ کہ یہ گریجوایشن کے صرف گریجوایشن ہی نہیں کریں گے بلکہ گریجوایشن کے ساتھ ہی درس نظامی بھی کریں گے۔ اور انشاء اللہ جب اس اکیڈمی سے فارغ ہوں گے فنافی الرسول بھی ہوں گے تو انشاء اللہ تعالیٰ جب اس معاشرے کے اندر جائیں تو آپ دیکھیں گے کہ یہ ایسے لوگ ہوں گے جو اس خلاء کو پُر کریں گے۔ جو آج ہمارے معاشرے کے اندر نظر آتا ہے۔ آج ہماری اکیڈمی کی ابتدا ہے انشاء اللہ آپ دیکھیں گے کہ احباب کی کوششوں سے اور محنتوں سے ایک دن وہ خواب جو ہم عرصے سے دیکھ رہے تھے انشاء اللہ شرمندۂ تعبیر

ہو گا۔ آپ سب دعا فرمائیں کہ اللہ پاک ہم سب کو اس بات کی توفیق عطا فرمائیں۔ جو نیک مقصد سے اکیڈمی چلی ہے اللہ تبارک اس کو پورا کرے اور ہماری خواہشوں کے مطابق ہم ایسے ایسے لوگ دیکھیں جو اس معاشرے میں صحیح معنوں میں مسلمان ہوں: جو صحیح معنوں میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات کے اندر رنگا ہوں اور جب وہ معاشرے میں جائیں تو اس کی ہر ہر حالت کو بدلیں۔ اللہ تبارک تعالیٰ ہمیں اس کی توفیق فرمائے۔ آمین۔

اس کے بعد حافظ عبدالرزاق صاحب نے گذشتہ سال کی رپورٹ پیش فرمائی۔

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ط

یہ ادارہ جسے آپ صفارہ اکیڈمی کہتے ہیں یہ اس لیے وجود میں نہیں لایا گیا۔ کہ مدرسے یا تعلیم گاہ کا ایک اضافہ کیا جائے بلکہ اس کی غرض صرف یہ ہے کہ تعلیم کے ساتھ تربیت بھی کی جائے اور تربیت اس رنگ میں کی جائے۔ کہ جو کتاب پڑھیں اسلام کی عینک سے پڑھیں۔ اور پڑھنے کے بعد اس عینک کے مطابق اپنے آپ کو اسلام کے سانچے میں ڈھالنے کی کوشش کریں۔

اکبر نے کہا

ع کورس تو لفظ ہی سکھاتے ہیں
آدمی تو آدمی ہی بناتے ہیں۔

تو آدمی بننے کے لیے کسی آدمی کی تربیت حاصل کرنا ضروری ہوتی ہے اس لیے حضرت نے کہا ہے کہ ان بچوں کو نہ صرف یہاں پر پڑھا دیا جائے بلکہ یہیں ان کو ان کا قیام بھی ہو۔ اور دن رات یہ ہماری سپرویژن کے ماتحت ہوں تاکہ ان کے عادات اسلامی اخلاق اور اسلامی جتنی چیزیں ہیں۔ گویا اسلام تقاضا کرتا ہے کہ مسلمان ان کا عملاً یہ کام کرنا سیکھیں، اس سلسلے میں پچھلے سال سے جب کام شروع ہوا ہے تو اللہ کے فضل وکرم سے جو بچے یہاں داخل ہوئے ہیں ان کا نتیجہ جس سکول سے پڑھ کر آتے ہیں اس میں یہ ہے کہ پہلے دس لڑکے جو اسی صفارہ اکادمی کے ہیں۔ باقی ایک سو بیس لڑکے غالباً وہاں ہیں وہ سارے ان کے بعد آئے ہیں جہاں تک پڑھائی کا تعلق ہے ان کی حالت یہ ہے اور دوسرا ان کی کیفیت یہ ہے کہ آپ نے صبح دیکھا ہو گا کہ صبح کی نماز میں سارے بچے موجود ہوتے ہیں۔ اور نماز کے بعد پھر تلاوت قرآن کیا کرتے ہیں۔ یہ آپ نے دو منظر دیکھ لیے ہیں لیکن اگر آپ یہاں کچھ اور عرصہ رہیں اور دیکھیں آپ کو معلوم ہو گا کہ دن بھر کی جو کاروائی ہوتی ہے وہ ساری ایسی ہی ہوتی ہے کہ یہ گویا انسان بنتے بنتے چلے جا رہے ہیں اور وہ جنہیں معاشرے میں انسان کو اسلام سے دور کرنے والی فضائیں ملتی ہیں یہاں ان کی بالکل فقدان ہے اور وہ یہاں موجود ہی نہیں اور یہ اللہ کا فضل ہے اُس ماحول سے نکال کر ان کو یہاں لایا گیا ہے۔ کہ یہ ابتدا اچھی ہوئی ہے اللہ کے فضل وکرم سے۔ تاکہ آگے بھی ترقی کرتے کرتے گریجوایشن کی منزل تک پہنچ جائیں تو واقعی یہ ایسے نہیں کہ جہاں جہاں ہی حکومتی ڈھانچہ ہے وہاں صرف اس وقت وہ لوگ موجود ہیں۔ جو ہر چیز کو مغرب کی عینک سے دیکھتے ہیں اس لیے وہ ہر چیز کو اسی رنگ میں ڈھالنا بھی چاہتے ہیں۔ اور اگر اسلام کے لیے کچھ آواز اٹھائی جائے تو اس کو دبانے کی کوشش بھی کریں گے۔ ہمارا ارادہ یہ ہے کہ جب بچے وہاں پہنچیں تو پھر ان کو اس سارے معاشرے کے نظام کو پلٹ کر رکھ دیں۔ امید ہے کہ اللہ تعالیٰ ہماری ان

کوششوں کو قبول فرمائے گا۔ اور آپ حضرات سارے اللہ والے بیٹھے ہیں دعا کریں کہ یہ کام باقی اسی طرح ہو۔ صرف یہ نہیں کہ تعلیم گاہ بن کر اس میں اضافہ ہو جائے اللہ تعالیٰ ہماری کوششوں کو کامیاب فرمائیں۔ آخر میں حضرت مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ نے اپنے کلمات برکات سے نوازا۔

اَلْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ
وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی حَبِیْبِہٖ مُحَمَّدٍ وَّعَلٰی
اٰلِہٖ وَاَصْحَابِہٖ اَجْمَعِیْنَ ۔ فَاَمَّا بَعْدُ
اَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ
بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ط

ہمارا سلسلہ عالیہ نقشبندیہ اویسیہ جہاں بے شمار خصوصیات میں اس کی حیثیت انفرادی ہے اور انسان طباع سلاسل اولیاء اللہ میں سے شاہ ولی اللہ رحمۃ اللہ تعالیٰ نے جہاں مختلف سلاسل بیان کیے ہیں۔ وہاں نسبت اویسیہ کی ایک انفرادیت یہ بھی شمار فرمائی ہے۔ کہ بعض اوقات اس کے حامل دنیا سے ناپید ہو جاتے ہیں۔ اور اس کا نشان نہیں رہتا۔ گویا زیر زمین چلا جاتا ہے لیکن جب کبھی یہ سلسلہ پھوٹتا ہے تو پھر یہ چشموں اور سوتوں کی مانند نہیں پھوٹتا ہے بلکہ زمانے کو اپنی لپیٹ میں لے لیتا ہے۔ اور ہر طرف جل تھل کر دیتا ہے اس سلسلہ عالیہ کی تاریخ بھی اس بات پر شاہد ہے کہ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم سے لے کر آج تک پندرہویں صدی کی ابتدا ہے اس سلسلہ عالیہ کے دس واسطے صرف یعنی اگر برابر تقسیم بھی کیا جائے تو ایک فرد ڈیڑھ صدی کو بھاری ہے اس دور میں اس کا ظہور ہمارے حضرت جی رحمۃ اللہ علیہ شیخ سلسلہ کی ذات سے اللہ کریم نے فرمایا اور بڑے تھوڑے عرصے میں یہ ایک ویران اور دور افتادہ گاؤں سے سے نکل کر آج بحمد اللہ روئے زمین کو اپنی لپیٹ میں لے چکا ہے اور دنیا کا شاید ہی کوئی ملک ایسا ہو جہاں اس کے متوسلین نہ ہوں جس طرح یہ دنیا کو لپیٹ میں لیتا ہے اسی طرح اپنے متوسلین کی ذات کو اپنی لپیٹ میں لیتا ہے۔ اور حاملین اور اس سلسلہ کے اراکین جتنے بھی ہوئے ہیں ان کی بہترین کوشش اتباع رسالت اور اتباع دین کی ہوتی ہے چونکہ یہ سلسلہ عالیہ ہمہ جہت کو محیط ہے اس لیے اس میں صرف گوشہ نشین یا صرف ذکر اذکار یا صرف دینی تعلیم یا کوئی شعبہ نہیں ہے بلکہ ہر فرد سے لے کر معاشرے تک کے جملہ ضروریات کو زیر بحث لاتا ہے۔ جن میں افراد کی تعمیر کے ساتھ معاشرے کی تعمیر بھی اور ملک میں حکومتوں کی اور ممالک کی تسخیر اس کے ارادہ اور ہدف میں شامل ہے جس کے لیے اس کا طریقہ قتل وغارت گری کا نہیں۔ بلکہ یہ ایسے افراد پیدا کرتا ہے۔ جو نیکی بھلائی امن، سکون اور محبت کے داعی بن کر معاشرے میں تبدیلی پیدا کرتے ہیں۔ اور یہ اس کی تاریخ کا حصہ ہے۔ کہ جو حضرات اس سلسلہ کے مشائخ عظام سے ہیں جن دس حضرات کے نام شامل ہیں آپ ان سب کی تاریخ میں دیکھیں۔ یہ انتہائی پر انتشار دور میں ظاہر ہوئے۔ اور انہوں نے ہر دور کے رستے ہوئے زخموں پر مرہم پٹی رکھی۔ اور اس کی دوا کی۔ اور اس کی چارہ سازی کی۔ اسی کے مختلف شعبوں میں ایک شعبہ تعلیم و تربیت کا بھی ہے۔ جس میں دین اور دنیا دونوں تعلیمات کا اجتماع اور اس کے لیے ادارے کا قیام تھا۔ پچھلے سال حضرت مشائخ عظام نے ہمیں انتباہ فرمایا تھا کہ آپ اس کام میں تاخیر کر رہے ہیں۔ چونکہ ہمارے ہاں مانگنے کا سلسلہ نہیں۔ کوئی چندہ لینے کا رواج نہیں۔ کوئی سفیر نہیں ہے

کوئی کسی سے مانگتا نہیں کوئی کسی سے کہتا نہیں۔ تو چونکہ عمارات کی اور کمروں کی رہائش کی تدریسی کمروں کی کمی تھی۔ اس لیئے شاید تاخیر ہوتی رہی ہے۔ لیکن ہم پچھلے سال سے اللہ کے نام پر شروع کر دیا ہے۔ اب رب کریم قادر ہے آپ دیکھیں کہ صدر صاحب یہاں تشریف لائے اور اللہ کریم نے ان کے دل میں ڈال دیا۔ اور پانچ لاکھ روپیہ اس کی تعمیر کے لیئے دے دیا اللہ کریم اسے ان کی طرف سے قبول فرمائے۔ اور ان کے لیئے زادِ آخرت کا سبب بنائے اور ملک کے لیے بہتری کا سبب بنائے۔ اس طرح سے پچھلے سال جو بچے ہم نے نویں میں لیئے تھے۔ اس دفعہ آپ کے سامنے دسویں میں بیٹھے ہیں۔ ان کے متعلق آپ نے حافظ صاحب سے سنا ہوگا اس دفعہ آٹھویں میں بچے لیئے گئے ہیں۔ آئندہ طریق رہی ہوگا۔ آٹھویں میں بچے داخل ہو کر گریجوایشن تک چلیں گے ہیں پرنسپل صاحب کی صلاحیتوں کا معترف ہوں۔ اور اس بات پر اللہ کا شکر ادا کرتا ہوں کہ اس نے انہیں بڑی محنت بڑی دیانت اور بڑی جان نشانی سے کام کرنے کی توفیق فرمائی ہے۔ چونکہ یہ محض ایک پروفیشن یا ایک پیشہ نہیں ہے۔ بلکہ یہاں تو کام کرنے کے لیئے بہت سارا ایثار کرنا پڑتا ہے۔ بالخصوص اساتذہ کو جنگل بیابان میں رہ کر دن رات بچوں کے ساتھ رہ کر بہت زیادہ کام کرنا پڑتا ہے جس کے مقابلے میں تنخواہ بہت کم ملتی ہے۔ اس کے باوجود ہمارے اساتذہ بحمد اللہ ایسے لوگ ہیں جن کی نگاہ آخرت پر اور اللہ کے دروازے پر اور اللہ کے حبیب کی خوشنودی پر ہے۔ آئندہ بھی ہیں ان حضرات سے امید رکھتا ہوں کہ یہ مزید اور زیادہ توجہ اور زیادہ محنت سے کام کریں گے۔ چونکہ جو اینٹ معاشرے کی تبدیلی میں لگائی جاتی ہے اس کا اجر اکا انسان اندازہ نہیں لگا سکتا۔ اللہ کریم کی رحمت بے پناہ ہے آپ ایک اینٹ مسجد میں لگائیں تو جب تک وہاں کوئی سجدہ کرتا رہے گا۔ تب تک ثواب میں شرکت ہوتی رہتی ہے۔ اگر آپ معاشرے کی مثبت تبدیلی میں کوئی لمحہ لگا دیں تو جب تک وہ تبدیلی رواں دواں رہے گی۔ آپ برابر کے شریک ہوں گے۔ کیونکہ وہ معاشرہ سنبھل کر جہاد کرتا ہے۔ لوگ شہید ہوتے ہیں۔ اس میں اسلامی قوانین بنتے ہیں۔ عدل وانصاف ہوتا ہے۔ نماز پڑھی جاتی ہے۔ عبادات کی جاتی ہیں۔ صدقات دیئے جاتے ہیں۔ تو اس سب میں وہ لوگ شریک ہیں جنہوں نے اپنا کوئی لمحہ اس میں صرف کیا ہے۔ تو اس طرح سے یہ ادارہ آج اپنے دوسرے سال کی ابتدا کر رہا ہے جس میں بحمد اللہ تین جماعتیں ہو گئی ہیں۔ جن میں اگلے سال انشاء اللہ گیارھویں کے طلباء شامل ہو جائیں گے اس طرح سال بہ سال گریجوایشن تک بڑھتا چلا جاتا ہے پچھلے سال کی کارکردگی کو دیکھ کر امید کی جاتی ہے۔ کہ آئندہ سال جب ہم یہاں اکٹھے ہوں گے تو اس کے نتائج کہیں بلند ہوں گے انشاء اللہ العزیز اللہ کریم ہمیں اور ہمارے بچوں کو اپنے دین کی خدمت کے لیئے قبول فرمائے۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔ اس کے بعد گذشتہ سالانہ امتحان میں اول دوم سوم پوزیشنیں حاصل کرنے والے طلباء میں انعامات تقسیم کئے گئے۔ پرنسپل اکادمی کو بھی حوصلہ افزائی کے طور پر کتب دی گئیں۔ پھر پرنسپل اکادمی مولانا اکرام اللہ جان قاسمی نے ایک آیت اور ایک حدیث سے سالِ نو کی تعلیم کی ابتدا کرائی اور بعد میں حضرت مولانا محمد اکرم مدظلہ کی دعا کے بعد حاضرین میں مٹھائی تقسیم کی گئی۔

قابلِ مطالعہ تحقیقی کتابیں

مولانا سید نصیب علی شاہ، نائب رئیس جامعہ زرگری

۱- دلائل السلوک

سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ دارالعرفان منارہ نے تصنیف و تالیف کے میدان میں جو علمی و دینی خدمات سرانجام دی ہے لائق صد تحسین ہے۔ ان میں سے دلائل السلوک حضرت العلام مولانا اللہ یار خاں مرحوم کی تصنیف لطیف ہے جس میں تصوف کے جملہ پہلو کو کتاب و سنت کی روشنی میں واضح کر کے علمی دنیا سے داد تحسین حاصل کر چکی ہے۔ کتاب کے آغاز میں تصوف کو بخاری شریف کی کتاب الایمان کی حدیث احسان سے ثابت کیا گیا ہے جس میں جبرائیل علیہ اسلام نے کہا مجھے احسان کے متعلق بتایئے۔ رسول خدا نے فرمایا اللہ کی عبادت اس طرح کر گویا تو اسے دیکھ رہا ہے۔ پس اگر تو اسے دیکھ نہیں رہا ہے۔ تو وہ تجھے دیکھ رہا ہے۔ پھر حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عمرؓ کیا تم جانتے ہو سائل کون تھا میں نے عرض کیا اللہ اور اس کا رسولؐ بہتر جانتے ہیں۔ فرمایا یہ جبرائیل تھے۔ تمہیں تمہارا دین سکھانے آئے تھے۔ اس حدیث میں احسان کو ایمان کا جزو قرار دیا گیا ہے۔ اور تصوف بھی اسی احسان سے عبارت ہے۔ اور اب منکرین تصوف کے لیے انکار کی کوئی سبیل نہیں نکلتی ساتھ ہی امام مالک کا قول بھی نقل کیا گیا ہے جس میں امام مالک فرماتے ہیں۔

من تصوّف ولم یتفقّہ فقد تزندق ومن تفقّہ ولم یتصوّف فقد تفسّق ومن جمع بینھما فقد تحقّق۔

جس نے فقہ کے بغیر تصوف حاصل کیا وہ محقّق ہوا۔ چونکہ مرحوم مولانا سید محمد انور شاہ کشمیری جیسے بلند پایہ محقق و شیخ الحدیث کے خصوصی شاگرد رہے ہیں۔ اس لیے طرز استدلال میں حضرت شاہ کشمیریؒ کا اثر دکھائی دے رہا ہے۔ اور یہ خصوصیت تو پاکستان میں صرف مولانا محمد یوسف بنوری اور حضرت العلام مرحوم کو ہی حاصل ہے۔ جگہ جگہ فیض الباری کے حوالے بھی دیئے گئے ہیں۔ جو اکابر دیوبند کے اعتقاد کا ثبوت دیتے ہیں۔ اس مجموعہ کو حافظ عبدالرزاق صاحب نے سلیس اردو میں ترتیب دے کر پڑھنے والوں کے لیئے دلچسپی کا موقع فراہم کیا ہے۔

۲- تحذیر المسلمین عن کید الکاذبین

مذکورہ کتاب ردّ شیعیت میں حضرت العلام اللہ یار خاں مرحوم کی علمی تصانیف میں سے ہے۔ جس کے مطالعہ سے شیعہ

کے من گھڑت عقیدہ کی خوب وضاحت ہوتی ہے۔ جس کا عقیدہ کتاب و سنت سے کوئی تعلق نہیں۔ کتاب ہیں عقیدہ بدا۔ عقیدہ امامت ظہور امام اور مسئلہ خلافت پر تحقیق بحث کی گئی ہے۔ اور اس سلسلہ ہیں شیعہ کی معتبر کتب سے حوالے بھی دیے گئے ہیں۔ اور ان کا فاضلانہ انداز ہیں تردید کی گئی ہے۔ عقیدہ شیعہ کے بطلان ہیں اردو زبان ہیں یہ گرانقدر علمی سرمایہ ہے۔ جس کا مطالعہ ہر سنی مسلمان کے لیے لازمی ہے۔ شیعہ حضرات بھی اگر تحقیق کے انداز سے کتاب کا مطالعہ کریں تو انہیں بھی شیعیت پر باقی رہنے کی کوئی حجت باقی نہیں رہتی کتاب کے آخر ہیں خود شیعوں کی کتب سے دین شیعہ کو یوں بیان کیا گیا ہے۔ کہ شیعہ کے نزدیک۔

۱) دین سے مراد دین اسلام ہے۔ دین شیعہ نہیں۔

۲) ضروریاتِ دین کے اختلاف کی وجہ سے دین اسلام اور دینِ شیعہ دو مختلف چیزیں ہیں۔

۳) دینِ اسلام ہیں ضروریاتِ دین اور ہیں۔ اور دینِ شیعہ ہیں اس سے مختلف ہیں۔

۴) حضرت علی رضہ کو خلیفہ اول تسلیم کرنا دینِ شیعہ کی ضروریات ہیں سے ہے۔ دین اسلام کی ضروریات ہیں سے نہیں ہے۔

۵) حضرت علی کے خلیفہ اول ہونے کے انکار سے انسان مرتد نہیں ہوتا یعنی دین اسلام سے خارج نہیں ہوتا۔ ہاں دین شیعہ سے خارج ہوتا ہے۔ یعنی آدمی کا مسلمان ہونا اور چیز ہے اور شیعہ ہونا چیزے دیگر۔

شیعہ علماء نے اس عقیدہ و مذہب کی تصریح انوار نعمانیہ ج ۲ صفحہ ۳۳۹ اور ج ۱ صفحہ ۲۷۶ پر کی ہے۔ تحذیر المسلمین مرحوم کی جملہ اہلسنت والجماعت پر ایک عظیم احسان ہے اس کتاب کو بھی مولانا حافظ عبدالرزاق صاحب نے خوبصورت انداز میں ترتیب دیا ہے۔ اور ادارہ نقشبندیہ اویسیہ دار العرفان منارہ نے افادہ عام کے لیے شائع کیا ہے۔

حضرت امیر معاویہ رضؓ

دشمنوں اور دوستوں کے نرغے ہیں

مذکورہ کتاب مولانا محمد اکرم اعوان مدظلہ العالی کی تصنیف ہے۔ موصوف مولانا اللہ یار خاں رحؒ کے جانشین اور سلسلہ نقشبندیہ اویسیہ کے اولین خلفاء ہیں سے ہیں جنہوں نے دنیا کو روحانی نور دینے کے ساتھ رد شیعہ میں بھی اہم خدمات سرانجام دی ہیں۔ اس موضوع پر بہت سے دیگر مصنفین اور بالخصوص مولانا محمد تقی عثمانی بھی لکھ چکے ہیں۔ مولانا محمد اکرم مدظلہ العالی نے بھی وقت کے تقاضے کے پیشِ نظر حضرت امیر معاویہ رضہ کے عالی مقام کا اثبات کیا ہے ۱۲۲ صفحات پر مشتمل درمیانہ سائز کی اس کتاب ہیں کتاب اسرار اصحاب رسول اللہ، کلام رسول اللہ اور مقام امیر معاویہ رضہ صلحائے امت اور امیر معاویہ رضہ۔ خال المؤمنین، کاتب الوحی۔ امیر معاویہ اور خاندان نبوت کے حسن سلوک اور جنگ صفین جیسے اہم موضوعات پر عالمانہ انداز ہیں بحث کی گئی ہے۔